اُس نے بھی بہت ڈھونگ رچائے تھے وفا کے - میں نے بھی اُٹھا کر کوئی کر تب نہیں رکھا
فریبِ مشترک
محی الدین نواب
COMPUTER KINGS QUETTA

محبت ایک ایسی طاقت ہے جس کے سہارے بڑی بڑی منزلیں سر کی گئی ہیں مگر جب محض طاقت کو مرکزی حیثیت دی جائے تو محبت کی دیوی درمیان سے از خود رخصت ہو جاتی ہے۔ فریبِ مشترک ایک ایسا قصۂ جانفزا ہے جس میں فریقین ایک دوسرے پہ بازی لے جانے میں مصروف رہے اور جذبۂ محبت اُن دونوں کی اَنا کے قدموں تلے سسکتا رہا۔ محبت جس ایثار اور خود سپردگی کا تقاضا کرتی ہے، وہ دونوں ہی اُس سے محروم تھے لہٰذا وہ ایک ایسی جنگ لڑتے رہے جس کا مرضیا محاذ اُن کے باطن میں کھلتا تھا

سی نے بھی بہت ڈھونگ رچائے تھے وفا کے [illegible]

ابھی! بالکل ابھی ابھی ایک پل گزر گیا اور یہی دریں عبرت ہے کہ گزرے ہوئے ایک پل کا حساب کرنے سے پہلے ہی دوسرا پل گزر جاتا ہے مگر حساب تو کرنا ہی پڑتا ہے آج نہیں تو کل، جوانی میں نہیں تو بڑھاپے میں سوچنا پڑتا ہے کہ اب تک کیا کیا اور کیا نہ کیا؟ شاید وہ کیا جو کرنا تھا اور وہ کر گئے جو نہیں کرنا تھا۔ پلو

برکت علی نے کافی کا ایک گھونٹ حلق سے اتارتے وقت صرف اتنا سوچا کہ ایک ایک پل کر کے ساٹھ برس گزر گئے ہیں تو وہ گھونٹ حلق میں اٹک گیا جیسے جوانی کے حلق میں بڑھاپے کا خوف اٹک رہا ہے۔

یہ ایک ساعت کی بات تھی۔ دوسری ساعت میں زور کا ٹھسکا لگا۔ کافی کچھ منہ سے کچھ ناک سے نکلنے لگی۔ کھانسی کے جھٹکے لگنے لگے۔ آنکھوں میں پانی آ گیا۔ شاید اس پانی میں بھی کافی کی کچھ مقدار ہوگی۔ اس عمر میں کچھ کھاؤ پیو تو جگہ جگہ سے باہر آتا ہے۔

بابو برکت علی بڑھاپے کو کسی طرح بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے سوچا۔ بڑھاپا بہت دور ہے۔ ابھی تو میں جوان ہوں۔ یہ محض بڑھاپے کا خوف تھا جو حلق میں اٹک گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں ٹھسکا لگا اور میں کھانس رہا ہوں۔ یہ کمبخت کھانسی کا تسلسل نہیں ٹوٹ رہا ہے۔ لوگ خواہ مخواہ سوچیں گے کہ یہ بڑھاپے کی کھانسی ہے!

کھانسی کے جھٹکے ایسے تھے کہ پیالی میز پر رکھتے رکھتے کافی کی مقدار میں کافی چھلک کر گر پڑی۔ دیکھنے والے تو یہی سمجھیں گے کہ بڑھاپے سے ہاتھ کانپ رہا تھا۔ بعض اوقات دیکھنے والوں کی غلط فہمی سے آدمی بوڑھا کہلانے لگتا ہے۔ یہ بڑی غلط بات ہے کسی کی ہسٹری شیٹ معلوم کیے بغیر اس پر بڑھاپے کا لیبل نہیں لگانا چاہیے۔

دوسری میز پر بیٹھے ہوئے لوگ سر گھما کر اسے مسلسل کھانستے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ایک نے کہا "بے چارہ۔" بعض حالات میں ایک لفظ عمر کی تمام ٹریجڈی بیان کر دیتا ہے۔

بابو برکت علی نے کھانستے کھانستے گھورتے ہوئے اس شخص کو دیکھا مگر کچھ کہہ نہ سکا۔ کھانسی بولنے کی مہلت نہیں دے رہی تھی۔ دوسری میز پر بیٹھی ہوئی عورت نے اپنے مرد ساتھی سے کہا "بڑے میاں کو پانی پلاؤ۔ کھانسی رک جائے گی۔"

اس کا ساتھی پانی سے بھرا ہوا گلاس لے کر بابو برکت علی کے پاس آیا۔ اسے پیش کرتے ہوئے بولا "بڑے صاحب! اسے پی لو۔"

بابو برکت علی نے اسے غصے سے دیکھا۔ پانی سے بھرے ہوئے گلاس کو اپنی پانچ انگلیوں کی گرفت میں لیا۔ اس عورت پر نظر ڈالی جس نے بڑے میاں کہا تھا۔ پھر جو کچھ ہوا اس پر سب حیران رہ گئے۔ ان پانچ انگلیوں کی گرفت میں شیشے کا مضبوط گلاس چھن کی آواز کے ساتھ ٹوٹ گیا۔ اس کے ٹکڑے میز پر بکھر گئے۔ پانی دور تک چھیل گیا۔ چند لمحوں تک پورے کافی ہاؤس میں خاموشی چھائی رہی۔ اس ڈرامائی صورت حال کے باعث کھانسی بڑی حد تک ختم ہو گئی۔ اس نے جیب سے پانچ سو روپے کا ایک نوٹ نکالا۔ پھر اس عورت کو دکھاتے ہوئے کہا "میرا آدمی اگر انگلیوں کے شکنجے میں گلاس توڑ دے گا تو میں پانچ سو روپے انعام دوں گا۔ ورنہ بڑے میاں مجھے نہیں اسے کہنا۔"

عورت گھبرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ مرد جھینپ کر اپنی عورت کے پاس چلا گیا۔ پورے کافی ہاؤس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ سبھی دبی زبان سے کچھ نہ کچھ کہہ رہے تھے۔ کوئی کہہ رہا تھا "بڑھاپا ہے۔"

کوئی جواباً کہہ رہا تھا "یہ نہیں، پرانی ہڈیوں کا جوش ہے۔"

ایک باڈی بلڈر نے کاؤنٹر پر آ کر کافی ہاؤس کے مالک سے کہا "اس نے گلاس توڑا ہے۔ میں اس کا سر توڑ سکتا ہوں مگر ایک بوڑھے پر کیا ہاتھ اٹھاؤں۔ تمہیں اس کے خلاف ایکشن لینا چاہیے۔ یہاں شرفاء اپنی گھر والیوں کے ساتھ آتے ہیں۔"

کافی ہاؤس کے مالک نے کہا "وہ بھی شریف آدمی ہے۔ اسے غصہ دلایا گیا پھر بھی اس نے دنگا فساد نہیں کیا۔ صرف ایک گلاس توڑا۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا کہ اس کا سر توڑنے نہ جاؤ۔ یہ اپنے وقت کا افریقی نسل پہلوان بابو برکت علی ہے۔"

باڈی بلڈر نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا۔ پھر پوچھا "کیا یہ بڈھا نہیں ہے؟"

"میں نے آج تک بوڑھا پہلوان نہیں دیکھا۔ شاید پہلوان بوڑھے نہیں ہوتے یا بوڑھے ہوتے ہیں تو پہلوان نہیں رہتے۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ بوڑھا نہیں ہے۔ جب کہ سر کے بال اور مونچھیں سفید ہو چکی ہیں۔"

"میں تینتیس برس کا ہوں اور میرے بال آدھے سے زیادہ سفید ہیں۔ الیا نزلے کے باعث ہوتا ہے۔ سفید بال بڑھاپے کی دلیل نہیں ہیں۔"

"کیا بات ہے تم اس کی بڑی حمایت کر رہے ہو؟"

"کوئی تمہارے خلاف کچھ بولے گا تو میں تمہاری حمایت میں بھی بولوں گا۔ یہ دکانداری کا اصول ہے۔ مجھے یہاں آنے والا ہر گاہک عزیز ہے۔"

باڈی بلڈر بل ادا کر کے خاموشی سے بابو برکت علی کو دیکھتا ہوا چلا گیا۔ اس کی میز پر سے شیشے کے ٹکڑے اٹھا لیے گئے تھے۔ نیا میز پوش بچھا دیا گیا تھا۔ ایسے ہی وقت ایک حسین عورت آئی۔ وہ کوئی دوشیزہ نہیں تھی۔ بھرے بھرے بدن کی عورت تھی۔ اس کی صحت مندی کے پیش نظر عمر کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کتنے ہی لوگ اسے رہ رہ کر دیکھ رہے تھے۔ کافی کا گھونٹ پیتے تھے یا دوستوں سے باتیں کرتے تھے۔ پھر ادھر دیکھ لیتے تھے۔ وہ بابو برکت علی کے سامنے والی میز پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔

ویٹر نے اس کی میز پر پانی کے دو گلاس رکھے پھر کافی کا آرڈر لے کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد خاتون نے اپنے بیگ میں سے ہینڈ بیگ سے آئینہ نکالا۔ پھر اپنے چہرے کا جائزہ لیا۔ اپنی پلکوں کو دیکھتے ہی دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے؟ پھر اس نے ننھا سا رومال نکال کر دائیں آنکھ پر رکھ لیا۔ بھید

کھلنے والا تھا۔ اس آنکھ کی مصنوعی گھنی پلکیں اچھی طرح چپکی ہوئی نہیں تھیں۔ ایک طرف سے ذرا اکھڑنے والی تھیں۔ اگر وہ پلکیں گر پڑتیں تو عمر کا بھانڈا پھوٹ جاتا۔

وہ آنکھ پر رومال رکھے وہاں سے اُٹھ گئی تیزی سے چلتی ہوئی کاؤنٹر کے پاس سے گزرتی ہوئی جانے لگی۔ کافی ہاؤس کے مالک نے پوچھا "بیگم صاحبہ! خیریت تو ہے؟ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

وہ کوئی جواب دیے بغیر لیڈیز ٹوائلٹ کے اندر گئی اور دروازے کو اندر سے بند کیا۔ آنکھ پر سے رومال کو ہٹایا پھر بیگ میں سے آئینہ اور گم پیسٹ نکال کر اکھڑنے والی پلکوں کو اچھی طرح چپکانے لگی۔

پچھلے تین ماہ سے اس نے تاش کھیلنا چھوڑ دیا تھا۔ ورنہ اُسے تاش کھیلنے کی بیماری تھی۔ ہر رات وی آئی اپی کلب میں تاش کے پتوں سے سیکڑوں روپے سمیٹ لیتی تھی یا ہزاروں روپے ہار جاتی تھی۔ پیسہ ہاتھوں کا میل تھا۔ کبھی ہارنے کا غم نہیں ہوتا تھا البتہ ایک غم نے تاش کے پتے پکڑا دیے۔ ایک رات کلب میں تاش کی گڈی کو پکڑتے ہی خیال آیا کہ اس میں باون پتے ہوتے ہیں۔ اور اس رات وہ باون برس کی ہو چکی ہے۔

گڈی اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی تھی۔ وہ وی آئی اپی کلب ملک کی وی وی آئی امپورٹنٹ لیڈیز کا کلب تھا۔ اس کے سامنے ایک وزیرِ صحت کی بیگم کھیلنے بیٹھی ہوئی تھیں۔ بیگم وزیر نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

وہ چونک کر بولی "آں کچھ نہیں۔ کوئی بات نہیں ہے۔"

"پھر گڈی کیوں چھوڑ دی؟"

"بس یونہی کھیلنے کو جی نہیں چاہتا ہے۔"

ایک انکم ٹیکس افسر کی بیگم نے کہا "ڈونٹ بی سلی۔ آج جم کر بازی ہوگی۔ موڈ آف نہ کرو۔"

وہ بیگمات کے اصرار پر تاش پھینٹنے لگی اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے اپنی زندگی کے باون برس پھینٹ رہی ہو۔ پتے اس کے ہاتھوں میں آرہے تھے اور گزرے ہوئے برسوں کی طرح پھسل کر نکل رہے تھے۔ اس رات وہ پچیس ہزار روپے ہار کر کلب سے باہر آئی۔ پھر تین ماہ گزر گئے، وہ تاش کھیلنے کلب میں نہیں گئی۔ وہ باون پتے اس کے دل میں کانٹوں کی طرح چبھنے لگے تھے۔

اُس نے بڑی آئینے میں گھنی پلکوں کو دیکھا اب اُن کے اکھڑنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ ایسا اندیشوں کو دور کرنے کے لیے وہ پرس کی جگہ ایک خوبصورت سا بیگ رکھنے لگی تھی جس میں چہرے کو بنائے رکھنے کے تمام جنتر منتر موجود رہتے تھے۔ وہ ٹوائلٹ سے باہر آگئی کاؤنٹر کے پاس آکر کافی ہاؤس کے مالک سے بولی "دراصل میری دائیں آنکھ میں اچانک تکلیف شروع ہو جاتی ہے۔ میں آنکھ میں آئی ڈراپ ڈالنے گئی تھی۔"

"بیگم صاحبہ! میرے لائق کوئی خدمت؟"

"شکریہ، اچھی سی کافی چاہتی ہوں۔"

وہ اپنی میز پر واپس آکر بیٹھ گئی۔ بیٹھتے وقت بابو برکت علی سے نظریں ٹکرائیں۔ پھر دونوں نے یوں نظریں چرائیں جیسے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہو۔ بیگم نے چڑ کر دل ہی دل میں کہا "نہ! بڑا پارسا بنتا ہے۔ میں تو عورت ہوں نظریں چرانا میری ادا ہے۔ اُسے کس بات کا مان ہے؟"

بابو برکت علی نے دل میں کہا "اسے کیا دیکھوں؟ یہ دیکھی دکھائی عورت ہے۔ دیکھنے کی چیز وہ ہوتی ہے جسے کسی نے دیکھا نہ ہو اور ہم دیکھ لیں۔"

بیگم کی سوچ نے کہا "دیکھو گے بچو! اس عمر میں اور کوئی گھاس نہیں ڈالے گی۔ اور میں تو تمھیں پلٹ کر نہ دیکھوں مگر آنکھیں ہیں، ساری دُنیا کو دیکھتی ہیں اور دُنیا میں تم بھی ہو لہٰذا تم پر بھی نظر پڑ جاتی ہے۔"

اس نے ایسا سوچتے ہوئے اُسے دیکھا۔ اتفاق سے وہ بھی دیکھ رہا تھا۔ نظریں ملتے ہی ذرا سر اٹھا کر بیگم کے پیچھے یوں دیکھنے لگا جیسے دروازے سے داخل ہونے والے کسی شخص کو دیکھ رہا ہو۔ یہ ایسی حرکت تھی کہ وہ بھی بے اختیار سر گھما کر پیچھے دیکھنے لگی۔ پھر غلطی کا احساس ہوا۔ وہ ایک مرد کی نگاہوں کے حوالے سے اُدھر دیکھ رہی ہے۔ اور اُدھر کوئی نہیں تھا۔ وہ اُلّو بن گئی تھی۔ اُس نے غصے سے بابو برکت علی کو دیکھا۔ اس کی مکاری صاف ظاہر تھی۔ اب وہ نہیں دیکھ رہا تھا۔ سر جھکائے کافی کی چسکی لے رہا تھا۔

اس نے ناگواری سے سوچا "میں خواہ مخواہ اس بڈھے کھوسٹ کے متعلق سوچ رہی ہوں یہاں نہ آتی تو اچھا ہوتا۔ مگر شہزاد کو یہاں بلا چکی ہوں۔ وہ آتا ہی ہوگا۔"

ویٹر نے اس کے سامنے کافی کی ٹرے لا کر رکھی۔ پھر پوچھا "میں کافی بناؤں؟"

"نو تھینک یو، میں بنا لوں گی۔"

وہ کافی تیار کرنے لگی۔ اس طرح خود کو مصروف رکھنے کا بہانہ مل گیا۔ پچھلے چار دنوں سے یہی چکر چل رہا تھا۔ دونوں کے درمیان خاموش جنگ جاری تھی۔ وہ ایک دوسرے سے دوستی کرنے میں پہل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بابو برکت علی کا یہ مزاج نہیں تھا۔ اس نے جوانی میں بھی کسی کو گرل فرینڈ بنانے میں کبھی پہل نہیں کی تھی۔ اسے اپنی مردانہ وجاہت اور کسرتی جسم پر بڑا اعتماد تھا۔ حسین لڑکیاں خود ہی اس کی طرف کھنچی آتی تھیں۔ آج بھی یہی خوش فہمی تھی کیونکہ بابو برکت علی وہی جوانی والا بابو برکت علی تھا۔ اس کا وہی چہرہ تھا، وہی کسرتی جسم تھا بس ذرا سا ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ مگر وہ ڈھیلا پن لباس میں چھپا رہتا تھا

اگر سی پہلے نقاب پہننے کا چانس ہوتا تو چہرے کی ہلکی جھریاں چھپ جاتیں۔ وہ خود کو سمجھاتا تھا، بالوں کی سفیدی اور چہرے کی جھریاں پختہ عمر کی دلیل ہیں، بڑھاپے کا نوحہ نہیں ہیں۔

بہرحال اسے یقین تھا کہ سامنے وہی پہل کرے گی، اگر نہیں کرے گی تو ایسی بھاری بھرکم عورت منحوری نہیں تھی۔ جو دیکھنے میں ہی بیگم صاحبہ لگتی ہو۔ جیسے دھان پان کی ہو، بوڑھے ہاتھ میں چھڑی ابھی لگی ہے، ڈنڈا نہیں۔

کافی ہاؤس کے دروازے پر ایک نوجوان دوڑتا ہوا آیا۔ وہ خاصا صحت مند تھا۔ جینز اور جیکٹ میں ایکشن فلموں کا ہیرو لگ رہا تھا۔ وہ کہیں کو دور سے دوڑتا ہوا آیا تھا۔ دروازے پر ایسے رکا تھا جیسے بڑی مشکل سے خود کو بریک لگایا ہو۔ اس نے دور تک نظریں دوڑائیں۔ پھر بیگم کو دیکھتے ہی تیزی سے چلتا ہوا اس کے پاس آیا۔ میز کے پاس کھڑا ہو کر بولا "ویری ویری سوری۔ مجھے دیر ہوگئی۔ یہ بس والے اپنی مرضی کے مالک ہوتے ہیں۔ جہاں بس روک دیتے ہیں، وہاں سے آگے نہیں بڑھتے۔"

بیگم نے دھیمی آواز میں غصہ دکھایا "یو شٹ اپ! کیا لوگوں کو سنانا چاہتے ہو کہ تمہارے جیسا بس میں سفر کرنے والا میرے برابر بیٹھنے آیا ہے۔ چپ چاپ بیٹھو۔ سانسیں درست کرو اور دھیمی آواز میں گفتگو کرو۔"

وہ میز کے دوسری طرف اس کے روبرو بیٹھ گیا۔ بیگم نے چور نظروں سے بابو برکت علی کو دیکھا۔ وہ یقین سے کہہ سکتی تھی کہ وہ سٹھیانے والا اس کے ساتھ ایک جوان بوائے فرینڈ کو دیکھ کر جل بھن گیا ہوگا۔ وہ آہستگی سے بولی "میرے پاس آکر اپنی اوقات میں نہ بولا کرو۔ اگر کوئی سن لیتا تو میری کتنی انسلٹ ہوتی۔"

وہ بولا "میں شرمندہ ہوں مگر کیا کروں۔ میرے پاس بڑی مشکل سے بس کا کرایہ ہوتا ہے۔ میں آپ کو اپنے حالات بتا چکا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارے لیے کچھ کروں گی بلکہ بہت کچھ کروں گی۔"

"شکریہ۔ آپ نہ ملتیں تو پتا نہیں میرا کیا بنتا۔ میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔"

"یہ آپ آپ کی رٹ کیوں لگاتے ہو۔ کیا میں عمر میں تم سے بڑی ہوں؟"

"جی، وہ میں آپ کی عمر تو نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑا بنایا ہے۔ میرا مطلب ہے آپ بڑی دولت مند ہیں اس لیے میں بڑی سمجھتا ہوں۔"

"نو، نان سنس۔ بڑی سمجھو گے تو میں بڑی لگوں گی۔ مجھے دوست سمجھو۔"

"دوست؟ میں اور آپ کو دوست سمجھوں! یہ یہ میری خوش قسمتی ہے۔ آپ مجھے اس قابل سمجھتی ہیں۔"

"آپ نہیں تم۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "تم! اچھا ٹھیک ہے، تم کہوں گا۔ آپ کتنی اچھی ہیں۔ مجھے آپ سے تم پر لے آ رہی ہیں۔ مگر یہ غریب آپ کو تم کہے گا تو لوگ کیا سوچیں گے؟"

"تم غریب نہیں رہو گے۔ میں تمہاری حیثیت بدل دوں گی۔ تم میرے برابر کے ہوگے۔"

"اوہ! مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔"

"کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟"

"نو نو نہیں، میرا مطلب ہے، میں نے بہت غریبی دیکھی ہے۔ ایم اے کرنے کے بعد غیر یقینی حالات سے گزر رہا ہوں۔ اکثر خوابوں اور خیالوں میں دیکھتا رہا ہوں کہ راستہ چلتے مجھے روپیوں یا ڈالروں سے بھرا ہوا بریف کیس مل گیا ہے یا لاکھوں روپے کی لاٹری نکل آئی ہے۔ بیٹھے بیٹھے میں وارے نیارے ہوگئے ہیں یا پھر ایک بہت ہی دولت مند لڑکی مجھ پر عاشق ہوگئی ہے..."

ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ بیگم نے جلدی سے پوچھا "میرے متعلق کیا خیال ہے؟"

"آں..." اس نے بیگم کو دیکھا پھر کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا آپ کے متعلق کیا خیال قائم کروں۔ اول تو مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ آپ مجھ پر مہربان ہوگئی ہیں۔ یہ مجھے خواب یا خیال جیسا لگ رہا ہے۔ پھر میں نے خود کو سمجھایا کہ آپ کے پیچھے کوئی ٹریجڈی چھپی ہوئی ہے۔"

"کیسی ٹریجڈی؟"

"یہی کہ شاید آپ کا چھوٹا بھائی یا جوان بیٹا آپ سے بچھڑ گیا ہے۔ آپ اس کی کمی پوری کرنے کے لیے..."

وہ دانت پیس کر دھیرے سے بولی "گدھے کے بچے! میں تمہیں کسی جوان بیٹے کی ماں لگتی ہوں۔ یو ایڈیٹ۔ نان سنس! تمہارے جیسا چھوٹے دماغ کا، چھوٹی اوقات کا اور چھوٹے نصیب کا آدمی ہمیشہ ایسی ہی چھوٹی بات سوچتا ہے اور خوابوں کی دولت مند لڑکی تعبیر بن کر آتی ہے تو اسے سمجھ نہیں پاتا۔ جاؤ دفع ہو جاؤ۔ گیٹ لاسٹ۔"

وہ بوکھلا گیا۔ بات دیر سے سمجھ میں آئی مگر سمجھ میں آگئی کہ اس کے سامنے دولت مند بیگم صاحبہ نہیں، ایک تو خیز حسینہ ہے اور حسینہ اس تقدیر کو کہتے ہیں جو دور تک مستقبل کو حسین بنا دیتی ہے۔ اس نے میز پر جھک کر آہستگی سے کہا "مجھے معاف کر دو۔ سوچو کا کر میز کے نیچے دیکھو، میں دونوں ہاتھ جوڑ رہا ہوں۔ میں تمہیں کسی جوان بیٹے کی ماں نہیں کہہ رہا تھا۔ تم تو کسی پہلو سے شادی شدہ بھی نہیں لگتیں، پھر ماں کیسے بن سکتی ہو۔ وہ بھی جوان بچے کی۔ لعنت ہے ایسا سوچنے والے پر ہزار بار لعنت ہے۔ دیکھو، میں تمہیں تم کہہ رہا ہوں۔"

وہ سنجیدگی سے بولا "ٹھیک ہے میز کے نیچے سے ہاتھ نکالو۔"

"نہیں نکالوں گا۔ پہلے غصہ تھوکو اور مسکراؤ۔"

"میرا مسکرانے کا موڈ نہیں ہے۔"

"ایک عاشق کا سوال ہے۔ محبت کے نام پر مسکرا دو۔"

وہ ہنسنے لگی اس نے ایک ہاتھ نیچے سے لا کر میز پر رکھ لیا۔ وہ بولا "دوسرا ہاتھ بھی نکالو۔"

اتنے میں ویٹر آ گیا۔ بیگم نے کہا "شہزادو کے لیے سینڈوچز اور کافی لے آؤ۔"

ویٹر چلا گیا۔ وہ بولی "تم نے ابھی تک ہاتھ نہیں نکالا۔"

"نہیں، پہلے تم اپنا ہاتھ میز کے نیچے لاؤ اور دوستی کا ہاتھ ملاؤ۔"

وہ مسکرا کر بولی "تم رومانٹک آئیڈیل ہے۔ مگر لوگ کیا کہیں گے؟"

"میز کے نیچے شاید ہی کوئی دیکھے اگر دیکھے گا تو جل جائے گا۔ میری قسمت پر رشک کرے گا۔"

بیگم نے دائیں بائیں دیکھا کوئی متوجہ نہیں تھا شہزادو کے پیچھے دوسری میز پر بالو برکت علی جھکی جھکی نظروں سے یعنی چور نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ خوش ہو گئی۔ اسے دکھانے کے لیے اپنا دایاں ہاتھ واضح طور پر اٹھا کر میز کے نیچے لائی شہزادو نے اسے پکڑ لیا۔

اس نے پکڑنے کو تو پکڑ لیا مگر چشم زدن میں چار برس پیچھے چلا گیا۔ اس روز وہ صبح سے فاقے کر رہا تھا۔ شام کو گھر جاتے وقت اسے معلوم تھا کہ چھوٹی بہن بھی ماں باپ کے ساتھ بھوکی ہو گی۔ جیب میں صرف تین روپے تھے اس نے گھر والوں کے لیے دو روپے کی ڈبل روٹی لی۔ بڑی ڈبل روٹی ڈھائی روپے کی آتی تھی چونکہ باسی تھی اس لیے دو روپے میں مل گئی تھی۔ اس نے بھوک کے وقت ڈبل روٹی کو پکڑا تو وہ دنیا میں سب سے مہربان اور سب سے زیادہ پرکشش تھی۔ آج بیگم کا ہاتھ بھی سب سے مہربان اور سب سے زیادہ پرکشش لگ رہا تھا بالکل ڈبل روٹی کی طرح باسی مگر پھولا پھولا اور کچھ نرم نرم۔ ڈبل روٹی گرم نہیں بلکہ، ٹھنڈی کھائی جاتی ہے۔ وہ ہاتھ بھی ٹھنڈا تھا۔ برسوں پہلے فریزر سے نکل کر آیا تھا۔

وہ شرماتے ہوئے بولی "اب چھوڑو بھی۔"

اس نے چونک کر چھوڑ دیا پھر کہا "تمہارا ہاتھ بہت خوبصورت ہے۔ میں اسے تھام کر بہت دور نکل گیا تھا۔"

وہ مسکراتے ہوئے سوچنے لگی۔ ہائے ایسے رومانی فقرے سننے کے لیے میں برسوں سے بے چین تھی۔ میرے پاس شہرت ہے دولت ہے مرتبہ ہے مگر شاعری کی وہ کتاب نہیں ہے جو جوانی میں کھو گئی تھی۔

شہزادو نے پوچھا "کیا سوچ رہی ہو؟"

"تم نے اپنی باتوں سے مجھے بھی دور کہیں گم کر دیا تھا۔ یہ بتاؤ تم کیسا مستقبل چاہتے ہو؟"

"پہلے بہت چھوٹی باتیں سوچتا تھا۔ سوچتا کوئی ملازمت مل جائے یا ٹیکسی ڈرائیور بن جاؤں۔ محلے میں پان سگریٹ کی دکان کھول لوں مگر اب ایسا مستقبل چاہتا ہوں جو تمہارے شایان شان ہو۔"

وہ بولی "ملازمت بری نہیں ہے مگر وہ انکم ٹیکس یا کسٹم کے شعبے میں ہو۔ ٹیکسی ڈرائیور بننا گری ہوئی بات ہے ٹیکسی کا مالک بننا اور ترقی کرتے ہوئے کئی ٹیکسیوں کا گیراج کھولنا کامیابی اور فخر کی بات ہے۔ میں کچھ عرصہ تمہاری محبت اور وفاداری کو آزماؤں گی پھر تمہیں ٹیکسی خریدنے کے لیے رقم دوں گی۔"

"تمہاری آزمائش تک میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بھوکا مر جاؤں گا۔"

وہ تھوڑی دیر تک اسے دیکھتی رہی اور سوچتی رہی۔ وہ جوان خوبرو تھا، پکا مرد لگتا تھا۔ بے حد ضرورت مند تھا۔ ضرورت اسے اور مجبور کرتی تو وہ عورت کا چکر چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کر سکتا تھا اور وہ اسے ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔

اس نے ویٹر کو بلا کر سو کا ایک نوٹ دیا پھر کیپ دی چینج، کر کے اٹھ گئی۔ شہزادو بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بیگم نے آنکھ کے اشارے سے ساتھ چلنے کو کہا۔ وہ پیچھے چلتا ہوا کافی ہاؤس کے باہر آیا۔ بیگم نے [illegible] کار کے پاس آ کر کہا "تمہارا چھوٹا پن نہیں جائے گا تم میرے پیچھے کیوں [illegible] رہے تھے! مرد آگے چلتا ہے یا بوائے فرینڈ کی طرح شانہ بشانہ رہتا ہے۔"

وہ شرمندگی سے بولا "آج پہلا دن ہے۔ کل سے غلطی نہیں ہو گی۔"

"مرد اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھنے سے پہلے عورت کے لیے دروازہ کھولتا ہے۔"

شہزادو نے جلدی سے آگے بڑھ کر کار کا دروازہ کھولا۔ وہ ہنستے ہوئے بولی "تم نے اسٹیئرنگ سیٹ کا دروازہ کھولا ہے۔ کوئی بات نہیں میں خود ہی ڈرائیو کروں گی۔ آؤ کار میں بیٹھو۔"

وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ شہزادو کار کے دوسری طرف سے گھوم کر اگلی سیٹ پر آ گیا۔ بیگم نے بیگ سے پانچ پانچ سو کے دس نوٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا "اپنے لیے نئے کپڑے خرید لو۔ سوٹ وغیرہ سلواؤ، پرسوں حلیہ بدل کر میری کوٹھی میں آؤ۔ یاد رکھو پیدل نہ آنا۔ ٹیکسی میں آنا۔ وہاں میرا کوئی شناسا موجود ہو تو باتوں میں ظاہر کرنا تمہاری کار گیراج میں مرمت کے لیے گئی ہے اس لیے ٹیکسی میں آئے ہو اور میں جو ایک دن کی ٹویوٹا بکنے والی ہوں اسے تم خریدنا چاہتے ہو۔"

"میرے باپ نے کبھی ایک موٹر سائیکل نہیں خریدی میں ٹویوٹا کیا خریدوں گا مگر تمہاری باتیں سمجھ رہا ہوں تمہارے مرتبے کا خیال رکھتے ہوئے ہنس کی چال چلوں گا۔"

"اوکے اب جاؤ۔ پرسوں شام کو اسی وقت کوٹھی میں ملاقات

ہو گی۔"

وہ کار سے باہر آ گیا، پھر جلدی سے اندر آ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا: "میں پھر پوری محبت کے ساتھ رخصت ہونا چاہتا ہوں۔ مگر ہم ٹریفک کے کنارے میں، کار کے اندر صرف ہاتھ کو چومنے کی گنجائش ہے۔"

وہ جھک کر چومنا چاہتا تھا۔ بیگم نے جلدی سے ہاتھ کھینچ کر کہا: "میں نے تمھیں آگے بڑھایا ہے مگر تمھارے ساتھ وعدے سے مُکرنا نہیں چاہتی۔ میں کوئی سستی لڑکی نہیں ہوں۔ اب جاؤ۔"

وہ باہر چلا گیا۔ اس نے کار اسٹارٹ کی، پھر دھیمی رفتار میں ڈرائیو کرتی ہوئی جانے لگی۔ وہ بہت خوش تھی۔ اس نے ایک جوان عاشق کے سامنے خود کو لڑکی کہا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ بچپن سے خود کو لڑکی ہی کہتی آئی تھی یعنی سال ہا سال سے لڑکی کہتے رہنے کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ رفتہ رفتہ معلوم ہوا سبھی ایسا کہتی ہیں۔ کلب میں آنے والی بیگمات اگرچہ اپنے لیے 'لڑکی' کا لفظ استعمال نہیں کرتی تھیں۔ تاہم باتوں ہی باتوں میں اپنی عمر گھٹا دیتی تھیں۔ کہا کرتی تھیں 'بہت چھوٹی عمر میں شادی ہو گئی اس لیے بچے جلدی جوان ہو گئے۔ ورنہ شادی کی عمر تو اب ہوئی ہے۔'

وہ اپنی عالیشان کوٹھی کے سامنے آئی۔ دربان نے بڑے سے گیٹ کو کھولا۔ وہ کار ڈرائیو کرتی ہوئی پورچ میں آ گئی۔ ایک ملازم نے آ کر ادب سے اسٹیئرنگ سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ باہر آئی۔ وہاں سے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی گارڈن لاؤنج میں پہنچی۔ چاروں طرف رنگا رنگ گلاب کھلے ہوئے تھے۔ ان گلابوں کو دیکھنے سے ماضی کے بہت سے زخم کھل جاتے تھے۔ وہ منہ پھیر کر دروازے کی طرف آئی۔ ایک اور ملازم نے دروازہ کھولا۔ وہ اندر آئی۔ اندھیرا ہو چلا تھا۔ چھت پر فانوس روشن تھے۔ کوٹھی کے اندر کسی ملازم کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایک پرانی خادمہ دن رات خدمت کے لیے موجود رہتی تھی۔ اسے معلوم تھا بیگم صاحبہ کس وقت کیا چاہتی ہیں۔ اس نے شب خوابی کا لباس الماری سے نکال کر باتھ روم میں رکھ دیا تھا۔ نہانے کے ٹب میں صابن کا جھاگ بھرا ہوا تھا۔ ٹب کے ساتھ ہی ایک چھوٹے سے ریک پر وِسکی کی بوتل اور شیشے کا جام تھا۔

بیگم نے آئینے کے سامنے آ کر اپنے عکس کو دیکھا۔ سب سے پہلے اپنی آنکھوں سے مصنوعی پلکیں اُتاریں۔ پھر سر سے سیاہ بالوں کی وِگ الگ کی۔ سر کے اصلی بال جگہ جگہ سے چاندی کی طرح چمک رہے تھے۔ صرف یہ دو چیزیں الگ ہونے سے اُس کی صورت بدل گئی تھی۔ اس صورت میں کوئی بھی جوان اُسے ماں کہہ سکتا تھا، محبوبہ ہرگز نہ کہتا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آتے آتے رہ گئے۔ اس نے فوراً ہی لباس اُتارا۔ پھر ٹب کے اندر صابن کے جھاگ میں جا کر بیٹھ گئی۔ بوتل کھول کر شیشے کے بلوریں جام میں ڈبل پیگ لیا۔ پھر ایک گھونٹ حلق سے اُتار لیا۔

اس وقت اسے سہارے کی ضرورت ہوتی تھی۔ گھر میں اور گھر سے باہر کوئی سہارا نہیں تھا۔ لہٰذا وہ سب کچھ بھلا دینے کے لیے مدہوشی کے راستے پر چل پڑی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ سسکیاں بھرتی رہی اور ٹشو پیپر سے اپنے آنسو پونچھتی رہی۔ دوسرا ڈبل پیگ ختم کرنے تک غسل سے فارغ ہو گئی۔ شب خوابی کا لباس پہن کر خواب گاہ میں آئی اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ خادمہ نے ڈرائیر سے اس کے بال خشک کیے۔ وہاں بھی وہ سوچتی رہی اور پیتی رہی۔ پھر خادمہ میز پر کھانا لگانے چلی گئی۔

بیگم نے پاس رکھے ہوئے فون کا ریسیور اُٹھایا۔ نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف رابطہ قائم ہوتے ہی آواز آئی: "ریکارڈر آن ہے۔ تمھاری باتیں ریکارڈ ہو رہی ہیں۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی: "میں کیا بولوں۔ جی چاہتا ہے تمھیں جان کہہ کر مخاطب کروں۔ مگر ایسا کس رشتے سے کہہ سکتی ہوں۔ ہمارا کیا تعلق ہے۔ یہ بھی کیسی بے تعلقی ہے۔ ہم انسانوں کی دنیا میں دشمن سے بھی دشمنی کا ایک رشتہ ہوتا ہے۔ تم نے میری ذات سے کوئی رشتہ رہنے نہیں دیا۔ جی چاہتا ہے تمھارا منہ توڑ دوں۔ مگر تم پہلوان ہو، مرد ہو۔ تمھارا منہ نہیں ٹوٹے گا، میرے ہاتھ ٹوٹ جائیں گے۔"

وہ ریسیور کو ایک کان سے ہٹا کر دوسرے کان سے لگاتے ہوئے

احمد ندیم قاسمی

مرا غرور، تجھے کھو کے، ہار مان گیا
میں چوٹ کھا کے مگر اپنی قدر جان گیا
جبیں پہ بل بھی نہ آیا گنوا کے دونوں جہاں
جو تو چھنا تو میں اپنی شکست مان گیا

بولی: "بابو برکت علی! تم نے اُس جوان کو دیکھا ہے۔ اس کا نام شہزاد ہے۔ کیسا نوخیز اور بھرپور جوان ہے۔ میں کسی بڈھے سے دوستی کر سکتی تھی مگر تم نے ایک بار نہیں، ہزار بار طعنے دیے کہ میں بوڑھی ہو گئی ہوں۔ کوئی جوان میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ آج تم نے اُسے دیکھ لیا، آئندہ بھی اسے میرے ساتھ دیکھو گے۔

"اب بھی وقت ہے، اپنے زہریلے الفاظ واپس لو۔ مجھے سوری کہو۔ تم ابھی طرح جانتے ہو، میں دولت کی چھاؤں میں اپنے حسن و شباب کی تعریفیں سُن سُن کر خوش ہوتی آئی ہوں۔ بڑھاپے کا طعنہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ مجھے سوری کہو۔ ایک بار اپنی غلطی تسلیم کر لو۔ نہیں کرو گے تو شہزاد سے نکاح پڑھوا لوں گی۔

"ارے بے وفا! میں دولت مند ہوں تو کیا ہوا؟ کیا عورت نہیں ہوں۔ عورت امیر ہو یا غریب، اُس میں وفا اور شرم ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حالات اور ماحول اسے بے شرم بنا دیتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے، میں ابھی تک شرم والی ہوں۔ آج بھی کسی دوسرے کو اپنا ہاتھ چھونے نہیں دیتی۔ شادی کے نام پر کسی غیر مرد کو برداشت نہیں کر سکتی۔ تم نے مجھے زندگی کے کس نئے موڑ پر لا کر چھوڑ دیا ہے۔ بتاؤ، میں تمھارے پاس کیسے آؤں؟ کس رشتے سے آؤں؟"

وہ کہتے کہتے سسکنے لگی۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ بول نہیں پا رہی تھی۔ کچھ داستانیں ایسی ہوتی ہیں جو آنسوؤں میں ڈوب کر اَدھوری رہ جاتی ہیں۔

O

بابو برکت علی تھوڑی دیر تک اپنی میز پر بیٹھا سوچتا رہا اور یہ سوچ سوچ کر گڑھتا رہا کہ نامی گرامی پہلوان کبھی اُسے چت نہ کر سکے لیکن بیگم اُسے پچھاڑ کر چلی گئی۔ یہ توہین آمیز شکست اُس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر کاؤنٹر پر آیا۔ کافی ہاؤس کے مالک نے بڑے ادب سے پوچھا: "میرے لائق کوئی خدمت؟"

وہ پہلوانی لہجے میں بولا: "ٹیلی فون ادھر لاؤ۔"

اُس نے کاؤنٹر کے پیچھے سے فون اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ بابو برکت علی نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ پھر رابطہ قائم ہونے پر کہا: "ہیلو! میں برکت علی بول رہا ہوں۔ میڈم سے بات کراؤ۔"

دوسری طرف سے ہولڈ آن کرنے کے لیے کہا گیا۔ پھر چند سیکنڈ کے بعد میڈم کی چہکتی ہوئی آواز سُنائی دی: "ہیلو بابو صاحب! مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ آپ نے کنیز کو یاد کیا۔ ہم... زہے نصیب! میں دل و جان سے خدمت کے لیے حاضر ہوں، حکم دیجیے۔"

بابو برکت علی نے کہا: "تم نے دو ماہ پہلے کسی کا ذکر کیا تھا، تمھیں یاد ہے؟"

"اچھی طرح یاد ہے۔ کیا اُسے دیکھنا چاہیں گے؟"

"ہاں ابھی، اسی وقت دیکھ سکتا ہوں؟"

"آپ کے لیے دن دن نہیں، رات رات نہیں ہے۔ جس گھڑی حکم دیں گے، یہ بندی خدمت کے لیے حاضر ہو جائے گی لیکن ایک بات ہے۔ جس کے لیے میں نے کہا تھا، اس کا تعلق ایک معزز گھرانے سے ہے۔ آپ اُن کے گھر نہیں جا سکیں گے۔ میں اُن لڑکیوں کو اپنے ہاں بُلاتی ہوں۔ آپ آدھے گھنٹے بعد آ جائیں۔ آپ کو میرا گھر یاد ہے نا؟"

"بھولنے والے سب کچھ بھول جاتے ہیں مگر تمھارے گھر کا راستہ نہیں بھولتے۔ میں آ رہا ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ کر کافی کا بل ادا کیا۔ پھر باہر آ کر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ شام کے چھ بج رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ کار ڈرائیو کرتا رہا اور سوچتا رہا۔ کوئی نہیں آئے گی۔ میری شخصیت سے متاثر ہو کر کوئی نہیں آئے گی۔ عجیب بات ہے، چند برس پہلے میں گلفام تھا۔ ایسی کیا تبدیلی آگئی کہ اب کوئی پوچھتا ہی نہیں۔

"آہ! عورت کیا چیز ہے۔ بوڑھی ہو جاتی ہے پھر بھی مرد اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے کہ اس کھنڈر میں کچھ باقی رہا ہے یا نہیں؟ فی زمانہ اُونچے طبقے میں معمر خواتین کا احترام نہیں رہا کیوں کہ وہ خود بزرگ نظر نہیں آنا چاہتیں۔ جوانی کے پہلے لمحے سے بڑھاپے کی آخری سانس تک میک اَپ میں تر و تازہ دکھائی دینا چاہتی ہیں۔ مادام بیگم کی بھی یہی کوشش رہتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جوان خود بیگم کے پاس چل کر نہیں آیا تھا۔ اس کی ضرورت اسے لائی ہوگی۔ بیگم اُس کی بہت سی ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ بن گئی ہوگی۔"

وہ آدھے گھنٹے بعد میڈم کے فلیٹ میں پہنچا۔ اس کا انتظار ہو رہا تھا۔ گاڑی کی آواز سُن کر میڈم کی بڑی بیٹی باہر آئی۔ مسکراتے ہوئے اسے خوش آمدید کہا: "تشریف لائیے، ممی آپ ہی کا کام کرنے گئی ہیں۔ آتی ہی ہوں گی۔"

وہ ڈرائنگ روم میں آیا۔ وہ بولی: "میرا نام شمع ہے۔ میں ایک بار آپ سے مل چکی ہوں۔ آپ بڑے آدمی ہیں، بھلا آپ کو کیا یاد ہو گا۔"

واقعی اسے یاد نہیں تھا۔ شاید ان دنوں دیکھا ہو جب آتش جوان تھا۔ حسیناؤں کا میلہ لگتا تھا۔ صبح نشہ اُترنے کے بعد یاد نہیں رہتا تھا کہ رات شمع تھی یا شعلہ تھی۔ اس نے پوچھا: "آپ ٹھنڈا پئیں گے یا گرم؟"

"شکریہ، میں ابھی کافی پی کر آیا ہوں۔"

ایک نوجوان لڑکی فلیٹ کے ایک کمرے سے نکل کر آئی۔ اس نے سلام کیا۔ شمع نے کہا: "یہ میری چھوٹی بہن فیروزہ ہے۔ ابھی چودہ برس کی ہے۔ ماشاء اللہ ایسا روپ ہے کہ ابھی سے پیغام آنے لگے ہیں۔"

بابو برکت علی اسے دیکھ رہا تھا۔ فیروزہ کا رنگ تھا، روپ نہیں

تھا وہ بیس بائیس کی ہو گی چودہ برس کا گھروندے سے چہرے کا بچپن نہیں چھپتا۔ بابو پہلوان اسے نظر انداز کرنے کے لیے ایک انگریزی رسالہ اٹھا کر ورق الٹنے لگا۔

فیروزہ نے پاس آکر بیٹھتے ہوئے کہا: "یہ رسالہ پرانا ہے۔ کیا آپ نئی کتابیں نہیں پڑھتے؟"

اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ شمع جا چکی تھی۔ اس نے فیروزہ سے پوچھا۔

"تمہاری آنی ابھی تک نہیں آئیں، کیا دیر ہو گی؟"

"وہ آتی ہی ہوں گی۔ آپ میوزک پسند کرتے ہیں؟ میرے پاس پاپ سنگرز کے نئے کلیکشنز ہیں۔ مجھے تو میڈونا بہت پسند ہے اور آپ کو؟"

"مجھے آج تک کوئی پسند نہیں آئی۔"

شمع دروازے کے پیچھے کھڑی سن رہی تھی۔ اس نے ناگواری سے منہ بنایا۔ وہاں سے چلتی ہوئی ٹیلیفون کے پاس آئی، ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے اور رابطہ ہونے پر کہا: "ہیلو ممی! آپ ان لڑکیوں کو لے آئیں۔"

دوسری طرف سے میڈم نے پوچھا "کیا اس نے فیروزہ کو لفٹ نہیں دی؟"

"نہیں۔ ہمارا خیال تھا بڈھے جذباتی اور ہوس پرست ہوتے ہیں۔ پہلے میں اس کے سامنے گئی پھر فیروزہ لیکن وہ بڑے صبر سے کسی حور پری کا انتظار کر رہا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں آرہی ہوں۔"

شمع نے ریسیور رکھ دیا۔ بیس منٹ کے بعد میڈم تین لڑکیوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آئی۔ آتے ہی کہا: "بابو صاحب! مجھے افسوس ہے آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی۔ لڑکیو! یہ بابو برکت علی صاحب ہیں شہر کے بڑے بڑے رئیسوں میں ان کا شمار ہوتا ہے ـــ اور بابو صاحب! یہ حسنہ ہے، یہ سائرہ اور یہ نیلما..."

بابو برکت علی کی نظر بہت پہلے ہی نیلما پر اٹک گئی تھی میڈم کی کوئی بات کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ تعارف کے بعد جب نیلما نے سلام کیا تو سلام کی رس بھری آواز کانوں تک پہنچی۔ میڈم بہت پہنچی ہوئی تھی اس لیے تاڑ لیا۔ اس نے کہا: "لڑکیو! اندر چلو۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔ میڈم نے قریبی صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا: "میں چاہتی تھی میری کوئی لڑکی پسند آجاتی تو گھر کی بات ہوتی۔ آپ جو دیتے وہ رکھ لیتی۔ یہ جو باہر سے آتی ہیں بہت مہنگی ہیں۔"

وہ آہستگی سے بولا: "نیلما کی بات کرو۔"

وہ حیرانی سے بولی: "آپ کیا کہہ رہے ہیں، وہ بہت ہی کم سن ہے۔"

"کم سن ہے تو یہاں کیوں لائی ہو؟"

"وہ تینوں بہنیں ہیں۔ میں دو کو لا رہی تھی۔ چھوٹی نیلما تنہا گھر میں نہیں رہنا چاہتی تھی اس لیے اسے بھی لے آئی۔"

"کیا وہ تینوں اپنے گھر میں تنہا رہتی ہیں؟"

"ہاں، دس برس پہلے باپ مر گیا تھا۔ رشتے دار پوچھنے نہیں آتے تھے۔ ماں اور بڑی بیٹی حسنہ ملازمت کر کے اخراجات پورے کرتی تھیں۔ دو برس ہوئے ماں بھی چل بسی۔ اب حسنہ اور منجھلی بہن سائرہ ملازمت کرتی ہیں۔ نیلما کو پڑھاتی ہیں۔ روٹی کپڑے کا بوجھ اٹھاتی ہیں۔ میں آہستہ آہستہ انہیں لائن پر لا رہی ہوں۔ انہیں سمجھایا کہ وہ پارٹ ٹائم دھندا کریں گی تو اپنے اپنے جہیز کا سامان بھی کرتی جائیں گی۔"

میڈم نے سر گھما کر دوسرے کمرے کی جانب دیکھا پھر سرگوشی میں بولی: "میں بہت بری ہوں مگر قسم کھا کر کہتی ہوں، یہ لڑکیاں خاندانی شریف ہیں۔ بے چاریاں سہاگن بننے کے لیے اچھی اور خاندانی زندگی گزارنے کے لیے ایسا کر رہی ہیں۔"

"نیلما کی بات کرو۔"

"اس کی بڑی بہنیں راضی نہیں ہوں گی۔"

"میں اس کی دونوں بہنوں کو جہیز کے لیے پچیس پچیس ہزار دوں گا۔"

"پچاس ہزار!" میڈم کی اوپر کی سانس اوپر رہ گئی۔ پھر وہ ہانپتی ہوئی بولی: "آپ۔ آپ ایک رات کے لیے اتنا دے رہے ہیں؟"

"نہیں۔ نیلما میرے لیے مخصوص رہے گی جب وہ کسی سے شادی کرنا چاہے گی تو میں اس کا گھر جہیز سے بھر دوں گا۔ اور آج کل چھوٹے سے چھوٹا گھر بھی لاکھوں میں بھرتا ہے۔"

میڈم نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا: "میرا دم نکل جائے گا ہائے۔ میں لڑکیوں سے بات کروں گی۔ آپ ان سے کچھ نہیں کہیں گے۔ لین دین کا معاملہ صرف میرے اور آپ کے درمیان رہے گا۔"

"سوری میڈم! میں کھری بات کہوں گا۔ تم پچاس ہزار میں سے بمشکل ان لڑکیوں کو پانچ ہزار دو گی۔ دینا صرف اپنے کمیشن پر نظر رکھو۔ اگر تم نے نیلما کو راضی کر لیا تو میں تمہیں پانچ ہزار دوں گا۔"

افغانستان کا سابق حکمراں امیر امان اللہ خاں اپنی معزولی کے زمانے میں ایک بار دکن کے نواب بہادر یار جنگ سے ملا۔ اس نے بہادر یار جنگ سے کہا کہ "آپ میرے متعلق کچھ کہیے میں جاننا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے لوگ میرے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟"

بہادر یار جنگ نے جواب دیا "عزیز برادر! آپ ایک ایسے بادشاہ تھے جو نئی سڑک بنائے بغیر نئے زمانے کی موٹر دوڑانا چاہتے تھے۔ اسی جلد بازی کی وجہ سے آپ کی حکومت ٹوٹ گئی۔"

*

"صرف پانچ ہزار؟"

"گھر بیٹھے مل رہے ہیں۔ اگر میں یہاں سے اُٹھ گیا تو خالی ہاتھ رہ جاؤ گی۔"

"میں آپ سے نہ سودے بازی کروں گی نہ آپ کو ناراض کروں گی۔ کچھ اپنی طرف سے میری بوتل کے لیے بڑھا دیں۔ آپ جانتے ہیں، مجھے پینے کی عادت ہے اس کے بغیر نیند نہیں آتی۔"

"ایک ہزار اور دوں گا۔ میرا وقت برباد نہ کرو۔"

وہ شکریہ ادا کرتے ہوئے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ بابو برکت علی اُٹھ کر ایک کھڑکی کے پاس آیا پھر باہر دیکھنے لگا۔ اندھیرا پھیل رہا تھا۔ لڑکیاں شریف گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں اس لیے انھیں بہلانے میں دیر لگ رہی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد بڑی لڑکی حُسنہ ڈرائنگ روم میں آئی۔ بابو برکت علی نے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گئی۔ اس کے سر پر آنچل تھا اور نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا "میں نے میڈم سے صاف صاف کہہ دیا ہے، لین دین میرے اور نیلما کے درمیان ہوگا۔"

وہ آہستگی سے بولی "نیلما بچی ہے، ابھی دسویں جماعت کا امتحان دے رہی ہے۔ ہم دو بہنیں اُسے ایسے معاملے سے دُور رکھنا چاہتی ہیں۔ چاہیں تو آپ سائرہ کو پسند کر لیں۔ وہ آپ کے مقابلے میں بہت کم عمر ہے، خوب صورت بھی ہے۔"

"جہاں تک پسند کا تعلق ہے، میں تمھیں بھی پسند کر سکتا ہوں، میڈم کی لڑکیوں کو بھی پسند کر سکتا ہوں۔ مگر یہ دل آنے کی بات ہے اور میرا دل نیلما پر آگیا ہے۔ اس کے لیے لین دین کی بات کرو گی تو بیٹھتا ہوں ورنہ چلا جاتا ہوں۔"

حُسنہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ بولا "اگر نصیب چاک سے لکھا جاتا تو آنسوؤں سے مٹ جاتا۔ اُسے مٹا کر دوسرا نصیب لکھا جاتا۔ میری یہ بات آنچل میں باندھ لو۔ ایک شریف زادی بکتے وقت روتی ہے تو اور زیادہ حسین اور پُرکشش لگتی ہے۔ عورت کو زبردستی حاصل کرنے میں بڑا لطف آتا ہے۔ مرد محبت کے معاملے میں تہی دست ہوتا ہے اور ہوس کے معاملے میں قصائی۔"

وہ آنچل سے آنسو پونچھنے لگی۔ بابو برکت علی نے کہا "کل نیلما کو کوئی اٹھا لے جائے گا۔ اس کی عزت سے کھیل کر چھوڑ دے گا۔ تب تم بہنیں رونے کے سوا کچھ نہیں کر سکو گی۔ آج بھی تم دونوں اپنی اپنی عزت کی میت پر آنسو بہاتی ہو گی ——— آج کل میں تیسری بہن بھی ماتم کرے گی۔ پھر ایسا راستہ کیوں اختیار نہیں کرتیں جس پر چل کر تم تینوں جلد سے جلد سہاگن بن جاؤ۔"

حُسنہ نے کہا "ایسا صرف سوچا جا سکتا ہے مگر ہو نہیں سکتا۔ ہم میں سے کسی بہن کی شادی ہوگی تو اس کی سسرال والے سوال کریں گے کہ باقی دو بہنیں راتوں کو کہاں جاتی ہیں؟"

"ایسے سوالات کا موقع ہی نہیں آئے گا۔ نیلما سے میرا معاملہ طے ہوتے ہی تم دو بہنیں راتوں کے عذاب سے نجات حاصل کر لو گی۔ عزت سے ملازمت کرتی رہو گی۔ اور یہ محض پچاس دن کی بات ہوگی۔ آج سے میں تم تینوں کو پانچ پانچ سو روپے روزانہ دیا کروں گا۔ یوں پچاس دن میں ہر بہن کے پاس پچیس ہزار روپے ہو جائیں گے۔ اگر یہ رقم جہیز کے لیے کم پڑے گی تو نیلما سے میری دوستی سو دن تک چلے گی۔ اس طرح روزانہ پانچ سو کے حساب سے ہر ایک کے پاس پچاس ہزار جمع ہو جائیں گے۔ یہ میعاد جتنی بڑھانا چاہو گی، رقم بھی بڑھتی جائے گی۔ میں نیلما کو خود نہیں چھوڑوں گا۔ وہ جب بھی چاہے مجھے چھوڑ کر جا سکتی ہے۔"

"آپ بہت ہی صاف گو ہیں۔ جو طریقہ بیان کر رہے ہیں اس سے ہمیں دھوکا نہیں ہوگا۔ روزانہ اچھی خاصی رقم ملا کرے گی۔"

"بے شک جس روز یہ رقم نہ ملے مجھ سے تعلقات ختم کیے جا سکتے ہیں لیکن میں زبان کا دھنی ہوں۔ مخصوص رقم روزانہ ملتی رہا کرے گی۔ اور پہلی قسط ابھی کار میں بیٹھ کر دوں گا۔"

وہ اُٹھ کر دوسرے کمرے میں گئی۔ وہاں پھر دس پندرہ منٹ تک کھچڑی پکتی رہی۔ اس کے بعد میڈم ان تینوں کے ساتھ آئی اور کہا "بابو صاحب! مبارک ہو۔ نیلما آپ کی ہو گئی۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولا "میرے ساتھ آؤ۔"

میڈم تینوں کو ساتھ لے کر اُس کے پیچھے چلتی ہوئی فلیٹ کے باہر کار کے پاس آئی۔ اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر نیلما کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ ہچکچا رہی تھی مگر میڈم نے اُسے زبردستی بٹھا دیا۔ دو بہنوں کے ساتھ خود پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ بابو برکت علی نے اسٹیئرنگ سیٹ پر آکر ڈیش بورڈ کے ایک حصے کو کھولا۔ وہاں نوٹوں کی گڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس نے چھ ہزار نکال کر میڈم کو دیتے ہوئے کہا "آج سے ان لڑکیوں کو بھول جاؤ۔ ان کے لیے کبھی کسی سے سودا نہ کرنا۔ میری مرضی کے خلاف کبھی ایسا کرو گی تو پولیس والوں کو پیچھے لگا دوں گا۔"

"میں کان پکڑتی ہوں۔ کبھی ان لڑکیوں سے بات بھی نہیں کروں گی۔"

وہ کار سے نکل کر فلیٹ میں چلی گئی۔ بابو برکت علی نے حُسنہ کو پندرہ سو روپے دیے پھر کار آگے بڑھاتے ہوئے کہا "نیلما کے لیے شاپنگ ضروری ہے۔ نئے ملبوسات، اُن سے میچ کرتی ہوئی چپلیں اور سینڈلیں اور میک اپ کا سامان ڈھیروں لانا ہے۔ بیوٹی پارلر میں اس کا حلیہ تبدیل ہوگا تاکہ یہ میرے طبقے کی شہزادی نظر آئے۔"

حُسنہ نے کہا "اس کا حلیہ تبدیل ہوگا تو ہمارے محلے میں باتیں بنائی جائیں گی۔"

"گلشن اقبال میں میری ایک چھوٹی سی کوٹھی ہے۔ کل صبح تک وہاں شفٹ ہو جاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد کار ایک کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوئی۔ چوکیدار نے سلام کرتے ہوئے دروازہ کھولا۔ اندر کی لائٹس جلائیں۔ حسنہ اور سائرہ مختلف کمروں میں جا کر کوٹھی کو دیکھنے لگیں۔ بابو برکت علی نے نیلما سے پوچھا۔ "تم خاموش ہو، نہ مسکراتی ہو نہ اداس ہو۔ کیا یہ کوٹھی اندر سے نہیں دیکھو گی؟"

نیلما نے خاموشی سے منہ پھیر لیا۔ اس کی یہ ادا بھی اچھی لگی۔

اس نے پوچھا۔ "مجھ سے ناراض ہو؟"

وہ پھر خاموش رہی۔ اس نے کہا۔ "میں تمہاری بہن سے یہ پوچھنا بھول گیا کہ تم بول سکتی ہو یا پیدائشی گونگی ہو؟"

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کوٹھی کے باہر برآمدے میں آگئی وہ اس کے پیچھا آ کر بولا۔ "تم بڑی خاموشی سے میری انسلٹ کر رہی ہو۔"

نیلما نے ایک گہری سانس لی پھر کہا۔ "میں یہ جرأت نہیں کر سکتی۔ خاموش ہوں کہ کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں رہی۔ دل اور دماغ پر بوجھ ہے کچھ بولنے کو جی نہیں چاہتا۔"

"یہ بوجھ رفتہ رفتہ اتر جائے گا۔"

"آپ جتنی مہربانیاں کریں گے، بوجھ بڑھتا جائے گا۔ ہزاروں روپے، قیمتی لباس، مہنگا میک اپ، شاندار کوٹھی، سوسائٹی میں عزت بڑھتی جائے گی۔ یہ آدمی ہی کا کمال ہے کہ عزت لے کر عزت بڑھاتا جاتا ہے۔"

"مجھے کڑوی گولیاں اچھی لگتی ہیں۔ میں نگلنے سے پہلے یا نگلتے وقت منہ نہیں بناتا۔"

"آپ مجھ سے سودا نہ کرتے نیکی کمانے کے لیے بھی ایسا کر سکتے ہیں۔"

"شوق کی حد نہیں ہوتی جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو۔ انسانی فطرت کے مطابق نیکی کی حد ہوتی ہے۔ اگر تم فاقہ کر رہی ہو تو میں تمہیں روٹی کھانے کے لیے ایک روپیہ دوں گا۔ اگر کہیں حادثے میں زخمی ہو جاؤ اور میں وہاں پہنچ جاؤں تو تمہیں کار کی پچھلی سیٹ پر ڈال کر اسپتال پہنچا دوں گا۔ کبھی کبھی نیکی کی حد بھی گھٹتی بڑھتی ہے۔ مثلاً کوئی مولوی میلاد کا چندہ لینے آئے گا تو میں پانچ روپے دوں گا۔ تم چندہ مانگنے آؤ گی تو سو روپے دوں گا۔ ہم سب حالات کے مطابق نیکی کرتے ہیں اور شوق کے مطابق قیمت بڑھاتے یا گھٹاتے ہیں۔"

وہ الجھن کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔ "دراصل جو بات میں کہنا چاہتی ہوں، وہ صحیح طور پر نہیں کہہ پا رہی ہوں۔"

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھوں کہ میں بہت بڑی نیکی بہت بڑی برائی کے ساتھ کر رہا ہوں اور مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔"

"میں بالکل یہی کہنا چاہتی ہوں آپ گریبان میں جھانک کر جواب دیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "بے چاری کم سن ہو بھولی ہو۔ رفتہ رفتہ معلوم ہو گا کہ ہمارے پاس گریبان ہوتا ہی نہیں ہے۔ جھانکیں تو کہاں جھانکیں؟ البتہ مجھ میں اتنی شرافت ہے کہ میں زبردستی نہیں کرتا۔ میں نے تمہیں دیکھا اور قیمت لگائی۔ میں اب بھی کوئی جبر نہیں کر رہا ہوں۔ صبح تک گریبان میں جھانکتی رہو۔ اگر میں نا پسند ہوں تو میرے پاس نہ آنا۔"

وہ سر جھکا کر بہنوں کے پاس چلی آئی۔ تھوڑی دیر بعد تینوں برآمدے میں آئیں۔ اس نے پوچھا۔ "گھر پسند آیا؟"

سائرہ نے کہا۔ "یہ ہمارے خیالوں اور خوابوں سے بھی زیادہ بڑا اور خوبصورت ہے۔ یقین نہیں آ رہا کہ ہمارے دن بدل رہے ہیں۔"

اس نے حسنہ سے پوچھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میں کل اپنی بہنوں کے ساتھ یہاں آجاؤں گی لیکن ایک بات ہے۔"

"ہاں، ہاں بولو۔"

"ہمارے پاس پرانی الماری، ٹین کا صندوق، ایک دو چارپائیاں ہیں۔ اتنی شاندار کوٹھی میں ہمارا سامان مضحکہ خیز لگے گا۔"

"جو سامان ضروری سمجھتی ہو لے آؤ۔ باقی چھوڑ دو۔ یہاں نیا

تین برس

ایک خاتون نجومی سے کہہ رہی تھیں "میرا شوہر مجھے خرچ نہیں دیتا، ساس گھر کا سارا کام خود ہی چلاتی ہے، بات بات پر حکم چلاتی ہے۔ شکایت کرو تو شوہر الٹا مجھ پر ہی خفا ہوتا ہے۔ آخر یہ کب تک رہے گا؟"

نجومی نے اطمینان سے جواب دیا۔ "کوئی تین برس تک۔"

خاتون نے خوش ہو کر پوچھا۔ "اور پھر اس کے بعد؟"

"اس کے بعد آپ عادی ہو جائیں گی۔" نجومی نے جواب دیا۔

ناصر ادریس۔ جڑانوالہ

فرنیچر اور تمہاری ضرورت کا تمام سامان آجائے گا۔ کل گیارہ بجے آکر نیلما کو شاپنگ کے لیے لے جاؤں گا۔ میرے ساتھ چلو جہاں کہو گی وہاں پہنچا دوں گا۔"

"شکریہ۔ آپ جائیں۔ ہمیں یہاں سے ٹیکسی مل جائے گی۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر آگیا۔ وہ جاتے جاتے نیلما کو نظر بھر کے دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ دیکھنے کی چیز تھی اُسے بار بار دیکھنا چاہتا تھا لیکن اُسے صبح تک فیصلہ کرنے کا وقت دے چکا تھا۔ وہ انکار کر سکتی تھی اس کا انکار سننے سے پہلے وہ اسے بار بار دیکھ کر اس بھاؤ تاؤ کو بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔ لہٰذا اس پر نظر ڈالے بغیر یوں چلا آیا جیسے اس کی خاص ضرورت نہ ہو۔ اُس جیسی شہر میں ہزاروں مل جاتی ہیں۔

وہ آرام سے ڈرائیو کرتا ہوا اپنی کوٹھی کے احاطے کے قریب آیا۔ کوٹھی شہر کے سب سے مہنگے علاقے میں تھی۔ نائٹ چوکیدار نے بڑے آہنی گیٹ کو کھولا۔ کار اندر آئی تو ایک ملازم اسٹیئرنگ سیٹ کا دروازہ کھول کر ادب سے کھڑا ہو گیا۔ کوٹھی کا دروازہ کھولنے کے لیے ایک اور ملازم تھا لیکن کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اتنی بڑی کوٹھی میں صرف ایک بوڑھا ملازم تھا اسے معلوم تھا صاحب کو کس وقت کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس نے وارڈروب سے شب خوابی کا لباس نکال کر باتھ روم میں رکھ دیا تھا۔ باتھنگ ٹب میں صابن کا جھاگ بنا دیا تھا۔ ٹب کے پاس ہی ایک ریوالونگ ٹرالی تھی جس پر ایک بے لباس حسینہ کی مورت رقص کے انداز میں کھڑی ہوئی تھی۔ ٹرالی کے گھومنے سے یوں لگتا تھا جیسے وہ حسینہ رقص کے انداز میں گھوم رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی میٹھے سُروں میں دھیمی دھیمی موسیقی کی آواز اُبھرتی تھی۔ موسیقی کے اُتار چڑھاؤ کے مطابق حسینہ پر رنگ برنگی روشنی کے زاویے بدلتے رہتے تھے۔ ٹرالی کے نچلے حصے میں وسکی کی بوتل اور شیشے کا خوبصورت جام رکھا ہوا تھا۔

بابو برکت علی اپنی خواب گاہ میں آیا۔ سب سے پہلے وہ ٹیلیفون کے پاس پہنچا۔ ریکارڈنگ فون سے الگ کر کے اندر رکھے ہوئے کیسٹ کو ریوائنڈ کیا پھر اسے آن کرنے کے بعد جوتے اور جرابیں اُتارنے لگا۔ ریکارڈر سے نادرہ بیگم کی آواز اُبھر رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی "میں کیا بولوں۔ جی چاہتا ہے تمھیں جان کہہ کر مخاطب کروں۔ مگر ایسا کس رشتے سے کہہ سکتی ہوں؟"

بابو برکت علی نے ناگواری سے منہ بنایا۔ ابھی وہ نیلما کے صبح بہار چہرے کو دیکھ کر آیا تھا۔ نادرہ بیگم کی آواز بڑھاپے کی شام کا تصور پیش کر رہی تھی۔ وہ ریکارڈر کو بند کر سکتا تھا مگر ایک تجسس تھا کہ نادرہ کے ساتھ وہ جوان کون تھا؟

نادرہ کہے گئے جملے کو ریکارڈر کے ذریعے کہہ رہی تھی "بابو برکت علی! تم نے اس جوان کو دیکھا ہے۔ اس کا نام شہزاد ہے۔ کیسا نوخیز اور بھرپور جوان ہے میں کسی بوڑھے سے دوستی کر سکتی تھی مگر تم نے ایک نہیں ہزار بار طعنے دیے کہ میں بوڑھی ہو گئی ہوں کوئی جوان میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ آج تم نے اسے دیکھ لیا۔ آئندہ بھی اُسے میرے ساتھ دیکھو گے۔"

بابو برکت علی نے فوراً ہی قریب آکر ریکارڈر کا بٹن یوں دبایا جیسے گلا دبا رہا ہو۔ نادرہ بیگم کی آواز گھٹ کر مر گئی۔ وہ بڑبڑاتا ہوا باتھ روم میں آیا۔ "آئندہ ذرا حوصلے سے ساتھ کیا دکھاؤ گی۔ میں دکھاؤں گا جب نیلما میرے بازوؤں میں بازو ڈال کر چلے گی تو تیرا بڑھاپا عفونت کی طرح ننگا ہو جائے گا اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ مرد بڑھاپے میں بھی جوان رہتا ہے نوخیز نیلما جیسی لڑکیاں حاصل کرتا رہتا ہے۔"

وہ لباس اُتار کر ٹب کے اندر آیا۔ جھاگ میں ڈوب کر بیٹھ گیا۔ حسین مورت ٹرالی پر رقص کر رہی تھی اس نے ایک جام میں وسکی لی۔ ٹب سے ذرا فاصلے پر ایک آئینہ تھا۔ اس نے اپنے عکس کو دیکھ کر جام اٹھایا۔ عکس نے بھی جام اٹھایا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو چیئرز کہا پھر اسے ہونٹوں سے لگایا۔ برکت علی نے ایک گھونٹ پی کر ایک سرد آہ بھری "آہ! اپنی اہمیت جتائے بغیر ہمیں تسکین نہیں ملتی جب تک جوانی کا گرم لہو دوڑتا رہتا ہے ہم اپنے شہر اپنے ملک اور پھر دنیا میں نمایاں مقام حاصل کر کے اپنی شخصیت کو اہم بنانے کی جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ ہماری یہ جدوجہد ہمیں کامیاب بناتی ہیں۔ کوئی کامیابی مرتے دم تک ہمیں نمایاں رکھتی ہے کوئی ہمیں مرنے کے بعد بھی زندہ رکھتی ہے صرف ایک کامیابی ایسی ہے جو بڑھاپے کی دہلیز پر دم توڑ دیتی ہے اور وہ ہے پہلوانی۔۔۔"

برکت علی پہلوان نہیں تھا۔ ایک موٹر مکینک تھا۔ لوگ اسے بابو مستری کہتے تھے۔ چار برس کی عمر میں ماں باپ مر گئے۔ چھ برس کا ہوا تو چچا نے گھر سے نکال دیا۔ وہ قد اور جسامت میں ۔۔ اتنا چوڑا تھا کہ چھ برس کی عمر میں بارہ چودہ برس کا لگتا تھا۔ پانچ چھ روٹیاں کھاتا تھا۔ چچا اس کی خوراک برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ایک مستری نے اپنے گیراج میں اسے کام دیا۔ وہ محنتی تھا۔ صبح سے رات گئے تک کام کرتا رہتا تھا لیکن تین آدمیوں کا کھانا اکیلا کھاتا تھا۔ مستری بھی اس کی خوراک دیکھ کر اسے اپنے گیراج سے بھگانا چاہتا تھا لیکن مستری کا ایک پہلوان دوست وہاں آیا کرتا تھا۔ برکت علی کو دیکھ کر کہتا تھا "یہ تو پیدائشی پہلوان لگتا ہے کیوں بے! میرا پٹھا بنے گا؟ تجھے رستم زماں بنا دوں گا۔"

مستری کہتا تھا "امام دینا! جب تک تو اسے رستم زماں بنائے گا یہ مجھے کھا جائے گا۔ یہ ہاتھی کی خوراک کھاتا ہے۔"

امام دین پہلوان نے کہا "یہی تو پہلوانوں کی نشانی ہے۔ میں اس کا خرچ اُٹھاؤں گا۔ تو اسے میرے حوالے کر دے۔"

"جب چاہو لے جاؤ۔ یہ میری اولاد تو نہیں ہے کہ روکوں گا۔"

اُس نے مستری سے کہا: "یار! میرے دل میں ایک بات پک رہی ہے۔ تجھ سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

مستری نے برکت سے کہا: "اے بالو! جا اُدھر افضل کے ساتھ کام کر۔"

بالو دور ایک گاڑی کے پاس کام کرنے چلا گیا۔ امام دین نے کہا: "یار! تو نے میری بیٹی کو دیکھا ہے۔ ابھی پندرہ برس کی ہے اور مجھے فکر ہو گئی ہے۔ میں باپ ہو کر کہتا ہوں، ایسی خوبصورت لڑکی گھر میں بیٹھی رہ جائے گی۔ پہلوانوں کو صرف فکر کھاتی ہے۔ اگر میں فکر مند رہوں گا تو اکھاڑے میں دنگل ہار جاؤں گا۔"

مستری نے کہا: "بیٹیوں کی فکر سے کبھی نجات نہیں ملتی۔"

"تم میرا ساتھ دو تو نجات مل جائے گی۔ یہ برکت علی اتنی سی عمر میں کیسا اٹھان لگتا ہے۔ میں اسے کھلاؤں گا تو آٹھ دس برس میں میری بانو سے دوگنی عمر کا لگے گا۔ ابھی سے میرا احسان مند رہے گا تو بانو سے شادی کرے گا۔"

"تو نے بہت دور کی سوچی ہے۔ اسے اپنے ساتھ لے جا۔"

"صرف لے جانے سے بات نہیں بنے گی۔ تجھے بھی ساتھ دینا ہوگا۔ اسے پکا موٹر مکینک بنا دے۔ جب کمانے کے قابل ہو جائے گا تو اپنی خوراک کا بوجھ خود ہی اٹھایا کرے گا۔"

"مگر تو تو اسے پہلوان بنانا چاہتا تھا۔"

"وہ تو بناؤں گا۔ مگر پہلوانی میں تگڑی آمدنی اسی وقت ہوتی ہے جب بڑے بڑے نامی گرامی پہلوانوں کو پچھاڑا جاتا ہے۔ اور میں ابھی کہہ نہیں سکتا کہ برکت کہاں تک میدان مار سکے گا۔ میں اپنی کوششوں سے اسے پہلوان بناؤں گا۔ تو اسے زبردست مکینک بنا دے تو میری بھی اور تیری بھتیجی کی زندگی سنور جائے گی۔"

دونوں اس بات پر راضی ہو گئے۔ برکت کو بلا کر سمجھایا کہ آج سے وہ امام دین کے ہاں رہا کرے گا۔ پہلوانی بھی سیکھے گا اور گیراج میں آ کر کام بھی سیکھتا رہا کرے گا۔ مستری نے کہا: "ہم دونوں تیری زندگی بنانا چاہتے ہیں۔ محنت کرے گا تو بہت بڑا آدمی بنے گا۔ بڑا نام کمائے گا۔"

برکت نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا: "یہ آپ لوگوں کی مہربانی ہے۔ آپ جیسا کہیں گے ویسا ہی کرتا رہوں گا۔"

امام دین نے پوچھا: "کیا ہمارا وفادار رہے گا؟"

وہ بولا: "اُستاد! آپ کے حکم پر جان بھی دے دوں گا۔"

وہ اسے اپنے گھر لے آیا۔ گھر میں بانو کو دیکھ کر برکت نے کہا:

"سلام باجی!"

پہلوان نے گرج کر کہا: "ابے! یہ تیری باجی کیسے ہو گئی۔ ساتھ کھڑا ہو کر دیکھ۔ تیرے برابر ہے۔ تو اسے بانو کہا کرے گا۔"

"جی اچھا۔ بانو کہوں گا۔"

"میرے ہاں بھینسیں ہیں۔ تجھے دودھ پینے اور مکھن کھانے سے کوئی نہیں روکے گا۔ تیری خوراک میں کمی نہیں ہوگی۔ جب تو پہلوان بن جائے گا، پوری طرح تیار ہو جائے گا اور پہلا دنگل جیت کر آئے گا تو بانو کی شادی تجھ سے کر دوں گا۔"

اس نے سر اٹھا کر بانو کو دیکھا۔ شام کے پھیلتے ہوئے اندھیرے میں وہ کچھ دھندلی سی چیز لگ رہی تھی۔ شادی کی بات سنتے ہی شرما کر چلی گئی۔ پہلوان نے کہا: "میں اپنی پہلوانی، اپنے داؤ پیچ اور اپنا گھر، اپنی بھینسیں اور اپنی بیٹی تجھے دے رہا ہوں۔ تیرے جیسا خوش نصیب کوئی نہیں ہوگا۔ اگر انکار ہے تو ابھی بتا دے۔"

"استاد! میری کیا مجال ہے کہ میں انکار کروں۔ جو حکم دو گے، وہ کروں گا۔ ساری زندگی تمہارے قدموں میں پڑا رہوں گا۔"

امام دین خوش ہو گیا۔ دوسرے دن صبح منہ اندھیرے پہلوانی کا سبق شروع ہو گیا۔ وہ سورج نکلنے تک ورزش کرتا تھا۔ پھر خشک میوے اور تازہ پھل کھا کر سیر دو سیر دودھ پیتا تھا۔ یہ خوراک روز بروز عمر کے ساتھ بڑھتی گئی۔ وہ دن کے دس بجے گیراج جاتا تھا۔ سہ پہر تین بجے واپس آ کر کھانا کھاتا اور شام ہوتے ہی پھر اکھاڑے میں پہنچ جاتا تھا۔

ایک دن بانو نے کہا: "صرف پہلوان بننے سے کیا ہوتا ہے۔ کچھ پڑھنا لکھنا بھی سیکھو۔ میں تمہیں پڑھایا کروں گی۔"

وہ نویں جماعت میں پڑھتی تھی۔ اسکول سے آ کر اسے پڑھانے لگی۔ اس طرح وہ مصروف دن رات گزارنے لگا۔ پڑھنے لکھنے میں زیادہ دل نہیں لگتا تھا۔ لیکن بانو اپنی عمر کے حساب سے دل لگانا سکھا رہی تھی۔ جیسے جیسے دن گزرتے تھے، وہ نکھرتا جاتا تھا۔ قد میں اُبھرتا جاتا تھا۔ بیس برس کی عمر میں ساڑھے چھ فٹ کا پہاڑ جیسا جوان نظر آنے لگا۔ امام دین کے تمام داؤ پیچ سیکھ لیے۔ مستری نے اُسے گاڑیوں کی مرمت کرنا سکھا دیا۔ بانو کی محبت اور توجہ سے اُردو کی ہر کتاب پڑھنے لگا۔ انگریزی اٹک اٹک کر پڑھ لیتا تھا۔ وہ ایسا گبرو جوان بن گیا تھا کہ بانو اُسے دیکھ دیکھ کر گھبراتی تھی۔ آئینہ دیکھتی تھی اور سوچتی تھی کوئی بھی حسین لڑکی اسے چھین کر لے جائے گی۔

اس کا اندیشہ غلط نہیں تھا۔ وہ پتلون شرٹ پہن کر ایکشن فلم کا ہیرو لگتا تھا۔ قریب سے گزرنے والیاں اس کے کسرتی بدن کو ضرور دیکھتی تھیں۔ کتنی ہی امیر گھرانوں کی عورتیں اپنی گاڑیاں لے کر گیراج میں آتی تھیں۔ گاڑیوں میں چھوٹی بڑی خرابیاں پیدا کر کے اس کے پاس آنے کا بہانہ ڈھونڈ لیتی تھیں یا ملازموں کے ذریعے اپنے کوٹھیوں میں بلا لیتی تھیں۔

یہیں سے بالو برکت علی کو اپنی اہمیت کا احساس ہوا۔ آخر

وہ عورتوں سے کہاں تک بچ سکتا تھا۔ پہلی بار ایک رئیس زادی نے اُسے اپنی طرف مائل کیا تو اس نے کہا: "میں تم سے دوستی نہیں کر سکتا۔"

رئیس زادی نے پوچھا: "کیوں نہیں کر سکتے؟"

"مجھ پر اُستاد کے اور مستری صاحب کے بڑے احسانات ہیں۔ میں نے دس برس پہلے زبان دی تھی کہ ان کا وفادار رہوں گا اور اُستاد کی بیٹی سے شادی کروں گا۔"

"تم اُس کی بیٹی سے محبت کرتے ہو؟"

"محبت کیا ہوتی ہے؟ اگر تم لیلیٰ مجنوں والی محبت کو پوچھ رہی ہو تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آج تک جتنے محبت کرنے والے گزرے ہیں ان میں سے کوئی پہلوان نہیں تھا۔"

"یعنی پہلوان محبت نہیں کرتے۔ کیا وہ خوب صورت ہے؟"

"بہت ہی بدصورت ہے۔"

"سمجھ گئی تمھارے اُستاد اور مستری نے تمھیں اُلو بنایا ہے ایک بدصورت لڑکی سے شادی کرانے کے لیے تمھاری پرورش کی ہے۔"

"انھوں نے مجھے ہنر مند بنایا ہے کیا یہ احسان نہیں ہے؟"

"تم کسی بھی گیراج میں کام کر کے مکینک بن سکتے تھے کسی بھی پہلوان کے چیلے بن سکتے تھے اگر تمھارے پاس عقل اور سیکھنے کی لگن نہ ہوتی تو وہ تمھیں کبھی ہنر مند نہیں بنا سکتے تھے۔ پھر یہ بھی کوئی ہنر ہے۔ تمھیں مکینک کون کہے گا؟ تم ڈپلوما ہولڈر نہیں ہو۔ ملک کے اندر یا باہر بڑی موٹر کمپنیوں میں جاؤ گے تو تمھیں محض کاریگر کے طور پر رکھا جائے گا۔ جہاں تک پہلوانی کا تعلق ہے اگر ایک دنگل بھی ہار گئے تو چھٹی ہو جائے گی۔ کیا تم گیراج مستری بن کر ایسی شان و شوکت کی زندگی گزار سکتے ہو جیسی ہم گزارتے ہیں؟"

"نہیں۔ یہ تو اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔"

"نصیب چالبازیوں سے بنتا ہے۔ جیسے امام دین نے اپنی بیٹی کے لیے جانبازی سے تمھارا نصیب بنایا ہے کیا وہ بغیر مطلب تمھیں روزانہ خشک میوے اور تازہ پھل کھلا سکتا تھا۔ روز چار پانچ سیر دودھ پلا سکتا تھا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ آج تک ایسا کوئی سخی داتا پیدا ہوا ہے نہ ہوگا۔"

"تمھاری باتیں دل کو لگ رہی ہیں۔ جب میں بانو کو دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں، تمھارے جیسی حسین لڑکیوں کو دیکھنے کے بعد اس کے ساتھ کیسے زندگی گزار سکوں گا۔"

"تم یہ کے تم میرے پاس رہو گے۔ ممی اور ڈیڈی لندن میں ہیں۔ تم یہاں سے جانے کے بعد عقل سے سوچ سمجھ سکو گے۔ میں تمھیں چالبازی کا جواب چالبازی سے دینا سکھاؤں گی۔"

وہ نہ بھی سکھاتی، تب بھی وہ سیکھ جاتا۔ کیوں کہ اس کی خوبروئی اور مردانہ وجاہت اُسے بڑی بڑی کوٹھیوں میں پہنچا رہی تھی۔ وہ دولت کی چکا چوند میں سوچنے لگا تھا کہ یہ شان و شوکت میرے پاس کیوں نہیں ہے۔ وہ فری اسٹائل کشتیوں کے لیے کئی بار ملک سے باہر گیا۔ باہر کی دُنیا نے اُس کی آنکھیں اور کھول دیں۔ اُدھر امام دین کہتا تھا: "بڑے دنگل جیت لیے۔ اب میری بیٹی سے شادی کر لے۔"

"اُستاد! ابھی بیوی بچوں کے چکر میں پڑوں گا تو پھر کوئی دنگل جیت نہیں سکوں گا۔ مجھے کچھ عرصہ دولت اور نام کمانے دو۔"

اس کی بات معقول تھی لیکن امام دین کو بیٹی کی عمر کا حساب زبانی یاد تھا۔ وہ تیس برس سے اُوپر ہو گئی تھی۔ برکت کے ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے رہتی تھی۔ ایک گبرو پہلوان کو دن رات اپنے قریب دیکھ کر نہ جانے اس کی کیا حالت ہوتی ہوگی۔ اس نے اپنی ایک سہیلی کے ذریعے باپ تک یہ بات پہنچائی تھی کہ برکت پر بڑی بڑی خوب صورت لڑکیاں مرتی ہیں۔ گیراج میں آ کر اسے اپنے ساتھ لے جاتی ہیں کیا باپ ان باتوں سے بے خبر ہے؟

وہ بے خبر نہیں تھا۔ اسی لیے برکت کے پیچھے پڑ گیا تھا اور برکت شادی کے معاملے کو ٹالتا جا رہا تھا۔ ایک دن اس نے اور مستری نے مل کر شرم دلائی۔ مستری نے کہا: "بابو شرم کر! امام دین تیرا اُستاد بھی ہے اور باپ کی جگہ بھی ہے۔ اُس نے تجھے زمین سے اٹھا کر آسمان تک پہنچا دیا۔ تو نے اس کے گھر میں قدم رکھ کر قسم کھائی تھی کہ اس کا وفادار رہے گا، اس کے ہر حکم کی تعمیل کرے گا اور بانو سے شادی کرے گا۔"

وہ بولا: "مستری چاچا! کوئی کسی کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر نہیں پہنچاتا۔ آدمی اپنی محنت اور لگن سے شہرت کی بلندیوں پر پہنچتا ہے۔ کیا اُستاد نے مجھے مکمل طور پر پہلوان بنا دیا ہے؟"

امام دین نے کہا: "بے شک۔ تو خود دیکھ سکتا ہے۔ تو نے یورپ کے چار نامور پہلوانوں کو ناک آؤٹ کیا ہے۔"

"صرف چار پہلوانوں سے کیا ہوتا ہے کیا میں اُستاد کو پچھاڑ سکتا ہوں؟"

"میں نے تجھے ایسے ایسے داؤ پیچ سکھائے ہیں کہ بڑے سے بڑا اُستاد بھی تیرے آگے ٹھہر نہیں سکے گا۔"

"تو میرا اُستاد ہے کیا میں تجھے پچھاڑ سکتا ہوں؟"

امام دین نے غصے سے کہا: "تو میرا پٹھا ہے اور مجھے پچھاڑنے کی بات کرتا ہے۔"

مستری نے پوچھا: "کیا تو اُستاد سے دنگل کرنا چاہتا ہے؟"

"ہاں۔ اگر یہ اُستاد ہے تو اپنی اُستادی دکھائے۔ میں زبان دیتا ہوں کہ یہ مجھے پچھاڑ دے گا تو میں بانو سے شادی کر لوں گا۔"

امام دین ایسی شرط سن کر دنگ رہ گیا۔ وہ بڑھاپے کے باعث لنگوٹ اُتار چکا تھا۔ دوسرے پہلوانوں سے مقابلہ کرنے کی عمر گزر چکی تھی۔ ایسے میں ایک شاگرد اُسے چیلنج کر رہا تھا۔ یہ اُس کے لیے شرم

کی بات تھی۔ اگر شاگرد جیت جاتا تو وہ کسی کو مُنہ نہیں دکھا سکتا تھا۔ اگر وہ شاگرد کو پچھاڑ دیتا تب بھی لوگ کہتے کہ دوبارہ لنگوٹ باندھ کر بھی پچھاڑا تو بے چارے شاگرد کو جو اس کے داؤ پیچ کا محتاج رہتا آیا ہے۔

اُس نے کہا: "برکت! تُو نے جس تھالی میں کھایا اُسی میں چھید کر رہا ہے۔ مجھے مشکل میں ڈال رہا ہے کوئی بات نہیں۔ میں تجھ سے مقابلہ کروں گا۔"

مستری نے کہا: "امام دینا! دُنیا والے کیا کہیں گے؟"

"مجھے دُنیا والوں کی نہیں، بیٹی کی فکر ہے اِس سے پکے کاغذ پر لکھوا لو کہ میں اسے پچھاڑ دوں گا تو اس کے بعد کسی حیل و حجت کے بغیر یہ بانو سے شادی کرے گا! اب اس کی زبان کا بھروسا نہیں رہا۔ اِس سے لکھوا لو۔"

مستری نے برکت کو اکیلے میں سمجھایا: "اُستاد سے مقابلہ نہ کر۔ بیٹا باپ سے اور شاگرد اُستاد سے لڑے تو دُنیا اُس پر تھوکتی ہے۔ بانو تجھے پسند نہیں ہے کوئی بات نہیں، اُستاد کا دل رکھنے کے لیے شادی کر لے۔ وہ بے چاری ایک طرف گھر میں پڑی رہے گی۔"

"مستری چاچا! میں ماڈرن ہو گیا ہوں، گھر میں بھینس نہیں پالوں گا۔"

"ہار جائے گا تو بھینس پالنی ہی پڑے گی۔"

"وہ مجبوری ہو گی۔ ابھی میں مجبور نہیں ہوں۔"

وہ ماننے والا نہیں تھا۔ دوسرے دن اسٹامپ پیپر پر معاہدہ ہوا۔ برکت نے اِس تحریر کے نیچے دستخط کیے کہ وہ امام دین سے کشتی ہارنے کی صورت میں بانو سے شادی کرے گا، اُسے تمام عمر خوش رکھے گا اور اس پر سوکن نہیں لائے گا۔ یہ بہت ہی کڑی شرط تھی۔ برکت کو جیتنے کا یقین تھا اس لیے اس نے پکے کاغذ پر بیٹی کے باپ کی تمام شرائط مان لیں۔

امام دین نے کہا: "ہم دُنیا والوں کے سامنے لڑیں گے تو دونوں کی بدنامی ہوتی رہیں بازی ہاروں گا اور بیٹی کی شادی نہیں ہو گی تو وہ بھی مفت میں بدنام ہو گی اِس لیے ہم کسی ویرانے میں جا کر لڑیں گے۔ ہماری ہار جیت کا فیصلہ مستری کرے گا۔"

برکت نے یہ بات مان لی اُس رات وہ تینوں سمندر کے کنارے دُور ویرانے میں گئے۔ چاندنی رات تھی۔ ساحل روشن تھا۔ دونوں نے کپڑے اُتارے۔ اپنا اپنا لنگوٹ اچھی طرح کس کر باندھا۔ پھر ایک دوسرے کے مقابلے پر کُشتی کے لیے سامنے آ گئے۔ امام دین نے کہا۔ "اب بھی سوچ لے۔ یہ تُو نمک حرامی کر رہا ہے۔"

برکت نے پینترا بدلتے ہوئے کہا: "میرا ضمیر مطمئن ہے۔ میں نے جتنا نمک کھایا ہے اُس سے زیادہ پسینہ بہایا ہے۔ پہلے تیرے پاس دس بھینسیں تھیں پھر اٹھارہ ہو گئیں۔ میں ان سب کو نہلاتا تھا، اُن کا چارا تیار کرتا تھا۔ روزانہ بھینسوں کا دُودھ دوہنا بچّوں کا کھیل نہیں ہے۔ پہاڑ کاٹ کر دُودھ کی نہر نکالنے والی بات ہے۔"

اُستاد نے شاگرد کو باتوں میں لگا کر اچانک ایک داؤ مارا۔ ایسی چال کو بھی اُستادی داؤ کہتے ہیں مگر وہ صاف بچ نکلا پھر پینترا بدلتے ہوئے بولا: "میں نے دن رات محنت کی ہے۔ تجھے گر رہی کی بھی کمائی دیتا رہا ہوں۔ یورپ کے دنگل سے حاصل کیے ہوئے چھ لاکھ روپے میں سے چار لاکھ روپے تجھے دے چکا ہوں پھر بھی تُو مجھے نمک حرام کہتا ہے۔"

اُستاد نے پھر ایک داؤ آزمایا۔ وہ داؤ میں آ گیا۔ تھوڑی دیر تک پھنسا رہا پھر اس نے توڑ کیا تو اُستاد اس کے اُوپر سے ہوتا ہوا دُور ریت پر جا کر گرا۔ اُس کے حلق سے کراہ نکلی۔ کمر کی ہڈی بُری طرح دُکھنے لگی تھی۔ وہ جوانی میں گرتے وقت فوراً ہی اُچھل کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ آج بڑھاپا سوگیا ملیں پڑ گیا، کیسے کھڑا ہو؟

تھوڑی دیر تک تینوں خاموش رہے۔ لہروں کا شور سُنتے رہے پھر برکت آہستہ آہستہ چلتا ہوا کپڑوں کے پاس آیا اپنی شلوار اُٹھا کر پہننے لگا۔ مستری نے کہا: "رُک جا بابو برکت علی پہلوان! ابھی میرا یار چاروں شانے چت نہیں ہوا ہے۔ اس کا ایک شانہ اُٹھا ہوا ہے۔"

وہ بولا: "میں چاہتا ہوں اُس کا شانہ اور سر ہمیشہ اُٹھا رہے آخر یہ میرا اُستاد ہے۔ تو گواہ ہے مستری چاچا! میں نے اس پر ہاتھ نہیں اُٹھایا اور کوئی داؤ نہیں مارا۔ صرف اس کے داؤ سے نکلنے کے لیے توڑ کیا تھا۔"

امام دین آہستہ آہستہ اُٹھتے ہوئے اور کراہتے ہوئے بولا: "اپنی صفائی پیش نہ کر۔ میں حوصلہ ہارنے والا اور آسانی سے چت ہونے والا نہیں ہوں۔ تو کشتی چھوڑ کر جائے گا تو ہار تیری ہو گی۔"

وہ قمیص پہنتے ہوئے بولا: "پکے کاغذ پر اِس ویرانے میں مقابلے کی بات نہیں لکھی ہے۔ میں تیری عزت رکھنے یہاں آیا ہوں۔ اگر چیلنج کرے گا تو بھرے مجمع میں شرمندگی اٹھائے گا۔"

امام دین سوچ میں پڑ گیا۔ برکت نے کہا: "میں بانو کے ساتھ برسوں سے ایک چھت کے نیچے رہتا آیا ہوں تیرے گھر سے جا کر اسے رُسوا نہیں کروں گا۔ میں اب بھی چند شرائط پر اُس سے شادی کر سکتا ہوں۔"

وہ جلدی سے بولا: "منظور ہے بیٹے تیری ہر شرط منظور ہے۔"

مستری نے پوچھا: "کیا چاہتا ہے؟"

"پہلے تم دونوں یہ اعتراف کر لو کہ ہماری دنیا میں انسان اپنی ضرورت اور فائدے کے مطابق دوسرے انسان کو خریدتا ہے۔ تم نے مجھ سے نیکی نہیں کی تھی۔ آدمی دولت سے خریدا جاتا ہے یا احسان سے۔ تم نے احسان کرتے کرتے مجھے خرید لیا تھا۔"

"چلو مان لیتا ہوں، میں نے تمھیں خرید رکھا تھا۔"

"تم بیٹی کی خاطر میری بات مان رہے ہو جب کہ یہ میری اپنی

بات نہیں ایک عالمگیر حقیقت ہے۔ خدا کو حاضر و ناظر جان کر بولو مجھے بدلہ برس پہلے اپنے گھر کیوں لے گئے تھے؟"

مستری نے چور نظروں سے اپنے یار کو دیکھا۔ دونوں چور تھے۔ دونوں نے ایک چھ برس کے بچے کو تمام عمر پھانس کر رکھنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ امام دین نے کہا۔ "خدا دیکھ رہا ہے۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ مجھے معلوم تھا بانو کا رشتہ کہیں سے نہیں آئے گا۔ اگر کوئی داماد بننے کو راضی ہوگا تو وہ میری بھینسوں کے دودھ کی آمدنی کو اور میری جمع پونجی کو دیکھے گا۔ کوئی خود غرض اسے عمر بھر سکھی نہیں رکھے گا۔ میں نے سوچا تیری پرورش کروں گا۔ تجھے اچھا کھلاؤں گا، پلاؤں گا تو تُو میری بانو کی قدر کرے گا۔"

برکت نے کہا۔ "یہ بھی خود غرضی ہوئی کہ مجھے اچھا کھلانے پلانے سے بانو کی قدر ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔"

"ہاں مگر میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ بچہ میرے ہاں پرورش پا رہا ہے تو اس کا مزاج اور اس کی عادت معلوم ہوتی رہے گی اور میں اسے اپنے مزاج کے مطابق ڈھالتا رہوں گا۔"

"استاد! یہاں تجھ سے ایک غلطی ہوگئی۔ تُو نے مجھے بیٹا بنا کر نہیں سوچا۔ بیٹا اپنے باپ کی عادات و اطوار کو سیکھ لے تو غیر سیکھتا ہے کیونکہ وہ باپ کا عقیدت مند ہوتا ہے۔ تُو نے میرے اندر عقیدت مندی نہیں، غلامی پیدا کی۔ تُو نے مجھ سے بھینسوں کی خدمت کرائی۔ کبھی یہ نہیں چاہا کہ میں بھی بانو کی طرح اسکول میں داخل ہو جاؤں۔ ایک باپ کی اور ایک آقا کی پلاننگ میں بڑا فرق ہوتا ہے۔"

"میں اپنی حماقتوں کو تسلیم کرتا ہوں۔ تُو بانو سے شادی کی بات کر۔"

"میں اس سے شادی کروں گا۔ مجھے تیرا گھر، تیری بھینسیں نہیں چاہئیں۔ تُو نے جتنی دولت جمع کی ہے اس میں سے ایک پیسہ بھی نہیں لوں گا۔ تیرا سب کچھ بانو کے نام ہوگا۔"

امام دین نے شدید حیرانی سے پوچھا۔ "یہ تُو کہہ رہا ہے۔ اتنی شرافت کا ثبوت دے کر میرے منہ پر چپت مار رہا ہے۔ میں اسی قابل ہوں۔ مجھے ایک بار اور پچھاڑ دے۔ ایک بار اور کہہ دے کہ تجھے کچھ نہیں چاہیے۔ صرف بانو چاہیے۔"

مستری نے کہا۔ "بالو۔ یہ بات تُو پہلے بھی کہہ سکتا تھا۔ کسی کے لیے پکے کاغذ پر لکھوانے کی کیا ضرورت تھی؟"

اس نے جواب دیا۔ "آدمی کو اٹھا کر پٹخ دو پھر کوئی بات سمجھاؤ تو فوراً سمجھ لیتا ہے۔ اگر پہلے کہتا کہ مجھے دولت نہیں، بانو چاہیے تو تمہارے دماغ میں یہی کیڑا کلبلاتا کہ بچپن سے میری ذہنیت غلامانہ ہوگئی ہے۔ آقا اپنی بیٹی دے کر احسان کر رہا ہے۔"

امام دین نے پاس آ کر اس کے شانے اور بازو کو دباتے ہوئے کہا۔ "تُو نے اپنا فیصلہ سُنا کر مجھے غلام بنا لیا ہے۔ مگر بانو سے شادی کر لے۔"

"بانو تیری بیٹی ہے۔ تیرا غرور ہے۔ اس کے غرور میں بھی شامل ہے۔ کبھی طعنے دے سکتی ہے کہ میں اس کے باپ کے ٹکڑوں پر پلتا رہا ہوں۔ وہ بیوی بن کر معتبر سوسائٹی میں میرا امیج بگاڑ سکتی ہے۔ اس لیے وہ شادی سے پہلے پکے کاغذ پر لکھ کر دے گی کہ گھر کی چار دیواری سے باہر میرے معاملات میں مداخلت نہیں کرے گی۔ کبھی میں دوسری شادی کروں تو اعتراض نہیں کرے گی۔"

"یہ تو بانو پر ظلم ہوگا۔"

"ظلم نہیں ہوگا۔ وہ شادی سے پہلے مجھے دوسری، تیسری شادی کی اجازت لکھ کر دے گی تو میں اس کا ہر طرح سے خیال رکھوں گا۔ اس کے تمام حقوق ادا کروں گا۔ اُسے ہر طرح سے پہلی بیوی کا مان دوں گا۔"

وہ تینوں ساحل سمندر کے اکھاڑے سے واپس آ گئے۔ باپ نے گھر آ کر بیٹی کو تمام روداد سنائی۔ اس نے کہا۔ "میں اُسے بچپن سے جانتی ہوں۔ وہ دل کا بہت اچھا ہے۔ میں اسی کے لیے بیٹھی ہوں۔ ابا! بس کاغذ لے آؤ۔ وہ جیسا چاہتا ہے، ویسا ہی لکھ دوں گی۔"

دوسرے دن تحریری معاہدہ ہوگیا۔ ایک ماہ بعد دھوم دھام سے شادی ہوگئی۔ ایک برس بعد وہ ایک بیٹے کا باپ بن گیا۔ جب اس نے پہلی بار بیٹے کو ہاتھوں میں لے کر پیار کیا تو اس کے چہرے سے، آنکھوں سے اور پیار کرنے کے انداز سے پتا چلتا تھا کہ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ ہر عورت کی طرح بانو کے دماغ میں بھی یہ بات آئی کہ مرد کو بچوں کی محبت میں اولاد کے مسائل میں اُلجھا کر رکھا جائے تو وہ ان کی خاطر دوسری عورت کے قریب میں نہیں آتا۔

اس نے چند ماہ بعد دوسرے بچے کی فرمائش کی۔ برکت نے کہا۔ "اتنی جلدی مناسب نہیں ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی اچھی چیز ہے۔"

وہ ضد کرتی تھی، یہ انکار کرتا تھا۔ بچے کیسے پیدا کیے جاتے ہیں، یہ عورتیں ہی جانتی ہیں۔ وہ جب چاہتی ہیں احتیاطی تدابیر کے باوجود ماں بن جاتی ہیں۔ بانو نے چند ماہ تک خاندانی منصوبہ بندی کو بھی برداشت کیا۔ پہلے بیٹے کی پیدائش کے پانچ ماہ بعد برکت یہ سن کر حیران رہ گیا کہ بانو کے پاؤں بھاری ہیں۔ اس نے پوچھا۔ "یہ کیسے ہوگیا؟"

وہ بولی۔ "میں کیا بتاؤں؟ اللہ تعالیٰ کی مرضی میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔"

دو برس بعد وہ دوسرے بیٹے کا باپ بن گیا۔ اس نے بیس برس کی عمر میں شادی کی تھی۔ بانو نے اسے تین برس میں تین بچوں کا باپ بنا دیا۔ تیسری بار بیٹی ہوئی۔ بانو نے کہا۔ "اب تم بیٹی والے ہو

گئے ہو۔ باہر کی مصروفیات کم کرو۔ ایک شریف اور سنجیدہ باپ باہر کسی لڑکی کو دیکھتا ہے تو اپنی بیٹی ضرور یاد آتی ہے۔"

"کیا بکواس کرتی ہو۔ باہر آوارہ لڑکیاں بھی ہوتی ہیں کیا میں انھیں بھی بیٹیاں سمجھ لوں؟ تم عورتیں چار دیواری میں بیٹھ کر مردوں کو مات دینے والی سیاست کرتی ہو۔ مجھے وقت سے پہلے بڑھاپے کا احساس دلاؤ گی تو میں بوڑھا نہیں ہو جاؤں گا۔ میں پہلوان ہوں سلامت ہوں تم اپنے بڑھاپے کا حساب کرو۔"

آدمی صبح کو سمجھتا ہے کہ شام ہوگی۔ زندگی کی سانس لیتے ہوئے یقین رکھتا ہے کہ موت ضرور آئے گی لیکن جوانی میں کبھی یقین نہیں کرتا کہ وہ کبھی بوڑھا ہوگا۔ اس نے دودھ سے بھرا ہوا شیشے کا گلاس اٹھایا پھر اسے بانو کے سامنے لا کر صرف پانچ انگلیوں کے شکنجے میں دبا کر توڑ دیا۔ اس کے بعد کہا۔ "یہ پہلوان کی جوانی ہے تیری بددعاؤں سے نہیں جائے گی۔ یہ میری کوششوں سے قائم رہے گی۔"

اُس کی کوششیں بتاتی تھیں کہ وہ شاید جوانی کے بعد بھی جوان رہے گا۔ وہ ہمیشہ کی طرح صبح منہ اندھیرے اٹھتا تھا کم سے کم دو میل کی دوڑ لگاتا تھا۔ معمول کے مطابق ورزش کرتا تھا۔ ڈٹ کر کھاتا تھا صرف اچھی سے اچھی خوراک کھانے سے بات نہیں بنتی سو وہ تمام فکروں کو بھی کھا جایا کرتا تھا۔ اسی لیے جوانی کے پہلے دن کی طرح تروتازہ دکھائی دیتا تھا ہمیشہ جوان رہنے کا نسخہ یہ تھا کہ وہ مجبور ہو کر [illegible] نہیں ہوتا تھا لڑکیاں اس پر مرتی تھیں وہ لڑکیوں پر نہیں مرتا تھا۔

گھر سے باہر صرف اسی ایئرز لوری سے عارضی تعلقات تھے جس نے اُسے امام دین کے خلاف بھڑکایا تھا اس کی غلامی سے نجات کا راستہ دکھایا تھا اور اسے سمجھایا تھا۔ "ہم کسی غرض کے بغیر ایک دوسرے سے چھوٹی چھوٹی نیکیاں کر لیتے ہیں لیکن ہر بڑی نیکی کے پیچھے کوئی غرض چھپی ہوتی ہے خصوصاً بڑی اور بے حساب نیکی کسی خاص مقصد کے بغیر نہیں کی جاتی۔"

اس نے پوچھا تھا۔ "تم بھی مجھ پر پچھلے دو ماہ سے مہربان ہو۔ تمھارا کیا مقصد ہے؟"

"تم نے میری سہیلیوں کے مقابلے میں مجھے پسند کیا ہے۔ جب میں نے دیکھا تم مجھے ترجیح دے رہے ہو تو میں بھی تم پر مہربان ہو گئی۔ تمھیں یہ سن کر افسوس ہوگا کہ یہ مہربانی ایک ہفتے بعد ختم ہو جائے گی میری ممی اور ڈیڈی لندن سے واپس آ رہے ہیں۔"

"واپس آنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہم کہیں دوسری جگہ مل سکتے ہیں۔"

"سوری! میری شادی ہونے والی ہے۔ ایک ہفتے بعد میری طرف رُخ نہ کرنا۔"

ایک ہفتے بعد اس سے تعلقات ختم ہو گئے۔ کوئی دو ہفتے بعد اس کی ایک سہیلی سے ملاقات ہوئی۔ وہ بولی۔ "پہلے میں تمھارے گیراج میں آئی تھی۔ میں نے اپنی سہیلیوں سے تمھارا تعارف کرایا تھا اور تم مجھے چھوڑ کر روزینہ کے چکر میں آ گئے۔ جانتے ہو میری کتنی انسلٹ ہوئی ہے؟"

"اس میں انسلٹ کی کیا بات ہے؟"

"میری دریافت ہو کوئی دوسری تمھیں لے جائے تو کیا میری توہین نہیں ہوگی۔ ہم پانچ سہیلیاں ہیں۔ ہماری پالیسی ہے کہ ہم کسی بڑی بات پر بڑی رقم لگاتے ہیں۔ تم سے پہلے بھی دو بار شرطیں لگ چکی ہیں۔ ایک بار میں نے دوسری بار شیبا نے شرط جیتی۔ اس بار تم نے روزینہ کو وِن کرا دیا۔"

"یہ شرط والی بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

وہ بولی۔ "کوئی خوبرو جوان ہم پانچوں کو پسند آ جائے تو وہ ہم سب کے لیے چیلنج بن جاتا ہے کہ ہم میں سے کون اُسے اپنی طرف مائل کر سکتا ہے؟ اسے بہت بڑا چیلنج بنانے کے لیے ایک لاکھ روپے کی شرط لگائی جاتی ہے۔ ہر لڑکی بیس بیس ہزار دیتی ہے۔ ہمارا آپس میں کوئی جھگڑا نہیں ہوتا۔ ہم اپنے اپنے طور پر اس نوجوان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوششیں کرتی ہیں۔"

"یہ تو بے حیائی ہے۔"

"روزینہ کے ساتھ وقت گزارتے وقت تمھیں بے حیائی کا خیال نہیں آیا؟"

"میں سمجھ رہا تھا وہ محبت کرتی ہے۔ مگر یہ تو مشغلہ ہے۔"

"کیا یہ تمھارا مشغلہ نہیں ہے کہ گھر میں بیوی ہے اور تم روزینہ سے دل بہلانے آتے رہے۔"

وہ جواب نہ دے سکا۔ وہ بولی۔ "ہمارے باپ دادا ہمیشہ سے

"بیگم صاحبہ!" گداگر نے ایک رحم دل خاتون کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ نے آج پانچ روپے نہ دیے تو مجھے ایک ایسے عمل کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جس کے تصور سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جسم کانپنے لگتا ہے۔"

خاتون نے پانچ روپے کا نوٹ گداگر کو دیتے ہوئے ازراہِ تجسس اس سے پوچھا۔ "خدا تم پر رحم کرے کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ میں نے تمھیں کس عمل سے بچایا ہے؟"

گداگر نے شکر و طمانیت کی ایک نگاہ نیک دل خاتون پر ڈالی اور کہا۔ "کام کرنے سے..."

کاروباری رہے ہیں۔ ہم نے کاروباری ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں۔ جو بھی مشغلہ اختیار کرتے ہیں اس میں بھی منافع دیکھتے ہیں۔ میں نے [illegible] وجہ سے بیس ہزار کا نقصان اٹھایا مگر تم سے پہلے ایک [illegible] جیت چکی ہوں۔ روزینہ نے تمہیں دو ہاتھ پاس رکھ کر ایک [illegible] حاصل کیا ہے۔"

برکت علی کا دماغ روشن ہوگیا۔ روزینہ کا بیان کردہ یہ نکتہ سمجھ میں آگیا کہ بڑی نیکی یا بڑی مہربانی کے پیچھے کوئی غرض چھپی ہوتی ہے۔ وہ سمجھ رہا تھا حسن و شباب کی سوغات مل رہی ہے جب کہ وہ اس کی ذات سے ایک لاکھ روپے کشید کر رہی تھی۔ بڑے گھروں کے بچے ایسے مشغلے اختیار کرتے ہیں، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ حالات اور تجربات بہت کچھ سمجھا اور سکھا دیتے ہیں۔

اس واقعے کے بعد وہ ہر لفٹ لینے والی لڑکی کو ویسی ہی سمجھنے لگا جب کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ یہ پورا طبقہ یا پوری برادری غلط نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی تو یہ دنیا ختم ہو جاتی۔ ایسی باتیں رفتہ رفتہ سمجھ میں آتی ہیں۔

اس نے اپنا ایک گیراج اور بہت بڑا شوروم قائم کر لیا تھا۔ بہت سی کنڈیشن کی گاڑیاں ضرورت مندوں سے اونے پونے خریدتا تھا اور دوسرے ضرورت مندوں کو کھری قیمت پر فروخت کرتا تھا۔ اسے ہر کام اور مقصد کے لیے خود غرض بننا آگیا تھا۔ انھی دنوں اس نے اخبار میں ایک کار کی فروخت کا اشتہار پڑھا۔ پتا چلا وہ کار فروخت کرنے والا شہر کے بڑے سرمایہ داروں میں سے ایک ہے۔ سال چھ مہینے میں نئے ماڈل کی گاڑیاں خریدتا ہے اور پرانی گاڑیاں فروخت کر دیتا ہے۔ برکت علی نے فون کے ذریعے ملاقات کا وقت مقرر کیا پھر وہاں مقررہ وقت پر پہنچ گیا۔

وہ کوٹھی بہت شاندار تھی۔ کسی بادشاہ کا محل دکھائی دیتی تھی۔ باوردی ملازم اور سیکیورٹی گارڈز نظر آرہے تھے۔ باہر کی شان و شوکت دیکھ کر اندر جانے کو جی چاہتا تھا لیکن کار ڈیلروں کو اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ مین گیٹ کے قریب ایک ایجنسی تھی۔ وہاں ایک سیکریٹری نما شخص آنکھوں پر عینک لگائے ڈیلروں سے باتیں کر رہا تھا۔ فروخت ہونے والی کار ایجنسی کے سامنے کھڑی تھی۔ بالکل نئے ماڈل کی تھی۔ اگلے حصے میں ہلکا سا ڈینٹ پڑ گیا تھا۔ سیکریٹری نما شخص کہہ رہا تھا "ابھی چھ ماہ پہلے ساڑھے پانچ لاکھ میں خریدی گئی تھی۔ ڈرائیور کی غلطی سے یہ ڈینٹ پڑ گیا ہے۔ جو دور سے نظر نہیں آتا لیکن بے بی نادرہ کو ہلکا سا نقص بھی پسند نہیں ہے لہٰذا اسے فروخت کیا جا رہا ہے۔"

اس کی باتوں کے دوران ایک نوجوان لڑکی کوٹھی سے باہر آئی۔ اسے دیکھتے ہی سیکیورٹی گارڈز الرٹ ہوگئے۔ ایک ملازم نے ایک نئی کار کا دروازہ کھولا۔ وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ کار اسٹارٹ کر کے تیزی سے ڈرائیو کرتی ہوئی ایجنسی کے سامنے زوردار بریک لگا کر رک گئی پھر کھڑکی سے سر نکال کر بولی "یہ بھیڑ کیوں لگی ہے؟"

سیکریٹری نے جلدی سے آگے بڑھ کر ادب سے کہا "یہ لوگ کار خریدنے آئے ہیں۔"

وہ ناگواری سے بولی "وہاٹ نان سنس۔ یہ میری کوٹھی ہے یا خرید و فروخت کی دکان؟ تم سے کس نے کہا تھا خریداروں کو یہاں بلاؤ؟"

"بی بی جی، بڑے صاحب نے حکم دیا تھا کہ یہ کار۔۔۔"

"نو آرگومینٹس۔ اس کار کو باہر لے جا کر بیچو۔ یہاں سے بھیڑ ہٹاؤ۔"

برکت نے آگے بڑھ کر کہا "بے شک! آپ کی عالیشان کوٹھی کے احاطے میں یہ کھٹارا کار بدنما دھبا لگتی ہے۔ اسے باہر پھینک دینا چاہیے۔"

"کیا؟" وہ غصے سے دروازہ کھول کر باہر آئی "تم ساڑھے پانچ لاکھ کی گاڑی کو کھٹارا کہہ رہے ہو۔ کبھی ایسی گاڑی میں بیٹھنا نصیب ہوا ہے؟"

"خدا نہ کرے کہ نصیب ہو۔ یہ میرا مزاج ہے کسی بھی چیز میں ہلکا سا نقص پیدا ہو جائے تو میں اسے کھٹارا سمجھنے لگتا ہوں۔"

اس نے گھور کر برکت کو دیکھا پھر ناگواری سے پوچھا "ناقص مال خریدنے کیوں آئے ہو؟"

وہ بولا "میں ہنرمند ہوں۔ گاڑیوں کی مرمت کر کے ان کی خوب صورتی واپس لاتا ہوں اور ان پر سے کھٹارا کا لیبل ہٹا دیتا ہوں۔"

سیکریٹری نے کہا "اے مسٹر! پیچھے ہٹو۔ بے بی کے سامنے ادب سے بات کرو۔ ورنہ سیکیورٹی گارڈز تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دیں گے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "میں نے کوئی بے ادبی نہیں کی ہے خواہ مخواہ دھمکیاں دو گے تو تمہارے جتنے گارڈز ہیں ان سب کے چہروں پر ڈینٹ پڑ جائیں گے۔"

ایک ڈیلر نے کہا "یہ مسٹر برکت علی ڈیلر ہیں۔ معلوم ہوتا ہے، تم نے کبھی ٹی وی پر ان کی فری اسٹائل کشتی نہیں دیکھی ہے۔ یہ اب تک چار انٹرنیشنل پہلوانوں کو شکست دے چکے ہیں۔"

بے بی نادرہ نے کہا "مائی گڈنس! مجھے یاد آرہا ہے میں نے تمہیں لڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ تم پہلوان ہو یا کار ڈیلر؟"

"میں ڈیلر اور مکینک ہوں۔ بگڑی ہوئی چیزوں کو بناتا ہوں۔ کوئی چیلنج کرے تو اسے بگاڑ کر رکھ دیتا ہوں۔"

بے بی نادرہ نے کار میں بیٹھ کر دروازہ بند کیا۔ اسے ڈرائیو کرتی ہوئی مین گیٹ کے پاس آئی پھر گیٹ پر کھڑے ہوئے گارڈ سے کہا "سیکریٹری کو بلاؤ۔"

گارڈ نے آواز دی۔ سیکریٹری دوڑتا ہوا آیا۔ وہ بولی "مسٹر برکت کا پتا اور فون نمبر نوٹ کرو اور گاڑی اس کے حوالے کر دو۔"

"جی بہت اچھا۔ مگر گاڑی کی قیمت ساڑھے چار لاکھ تک پہنچ

گئی ہے۔"

"گاڑی فروخت نہیں ہوگی۔ جو کہہ رہی ہوں وہ کرو۔"

یہ کہتے ہی وہ تیزی سے کار ڈرائیو کرتی ہوئی وہاں سے مین روڈ پر آئی پھر سہولت سے کار چلاتی ہوئی برکت کے متعلق سوچنے لگی۔

اس نے ریسلنگ کے کسی پروگراموں میں اُسے دیکھا تھا۔ اپنی کوٹھی کے احاطے میں اسے دیکھ کر یقین نہیں آیا کہ یہ وہی ہے۔ چٹان جیسا کشادہ سینہ، چیتے کی طرح پتلی کمر اور پہلوانی بازوؤں کی ابھرتی ہوئی مچھلیاں دیکھ کر سوچتی تھی اس کبرو جوان کے اندر کتنی قوت ہے یہ بڑے بڑے پہلوانوں کو دبوچ کر اٹھنے نہیں دیتا ہے۔ اس کی گھر والی کیا کرتی ہوگی؟

ایسی سوچ دماغ میں آتے ہی وہ گھبرا جاتی تھی۔ ایسے دماغ سے نکال دیتی تھی یا پھر سوچتی تھی۔ "اونہہ! بس پہلوان ہے مشہور ہے تو کیا ہوا تعلیم یافتہ نہیں ہے۔" ٹی وی پر ایک انٹرویو کے دوران وہ اردو بول رہا تھا اور اس کا سیکرٹری انگریزی میں ترجمہ کرتا جا رہا تھا۔

آج اُسے دیکھ کر معلوم ہوا، وہ ڈیلر اور مکینک ہے یعنی مزدوری کرتا ہے۔ بزنس کلاس سے نہیں ہے۔ اُونچی سوسائٹی کا پروردہ نہیں ہے۔ بس یونہی ہے۔ اب دیکھنا ہے، وہ گاڑی لے جا کر کیا کرے گا۔

اس نے شام کو کوٹھی کے احاطے میں واپس آکر دیکھا گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اُسے نہیں لے گیا تھا۔ نادرہ نے سوچا تھا، وہ چھوٹی طبیعت کا لالچی انسان ہوگا تو کسی سودے کے بغیر گاڑی کو مفت کا مال سمجھ کر لے جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس نے سیکرٹری سے پوچھا "کیا بات ہے تم نے اسے گاڑی نہیں دی؟"

"میں نے دی تھی۔ وہ لے گیا تھا پھر تین گھنٹے بعد واپس لے آیا۔ بہت ہی باکمال کاریگر ہے۔ آپ ملاحظہ فرمائیں۔ گاڑی کا ڈینٹ نظر نہیں آ رہا ہے۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ اس میں کوئی خرابی پیدا ہوئی تھی۔"

اس نے گاڑی کے قریب آکر ہاتھ سے چھو کر بار بار دیکھا واقعی یہ ہنرمندی کا کمال تھا۔ وہ ہلکا سا نقص ذرا بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کی مرمت کرنے کا بھی کوئی نشان نہیں تھا۔ اس نے سیکرٹری سے پوچھا۔ "کیا اس نے بل دیا ہے؟"

"جی نہیں۔ وہ ملازم کے ساتھ اپنی گاڑی لے کر آیا تھا۔ ہماری گاڑی چھوڑ کر اپنی کار میں چلا گیا۔ یہ اس کا کارڈ ہے۔"

وہ کارڈ لے کر کوٹھی کے اندر آئی۔ باپ نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہیلو بے بی! تم نے گاڑی دیکھی۔ وہ استاد کاریگر ہے۔"

ماں نے کہا "سنا ہے تم نے گاڑی اسے یونہی دے دی تھی۔"

"یونہی کا مطلب کیا ہوا؟ کیا وہ کاغذات کے بغیر ہماری گاڑی کا مالک بن جاتا؟"

باپ نے ہنستے ہوئے کہا "آخر میری بیٹی ہے کوئی فائدہ سوچ کر ہی دی ہوگی۔"

وہ بولی "پاپا! آپ نے کہا تھا مجھے خوب سوچ سمجھ کر ایسا لائف پارٹنر پسند کرنا چاہیے جو میرا احسان مند ہے اور باڈی گارڈ کی طرح میری حفاظت کرتا ہے۔"

"یس آف کورس۔ مگر ابھی تم ستر ہ برس کی ہو۔ جیون ساتھی کے انتخاب میں جلدی نہ کرنا۔ چار چھ برس اور گزرنے دو تمہارا مشاہدہ، تجربہ اور معقول فیصلے کی قوت بڑھتی جائے گی۔"

"او کے پاپا!" وہ اپنے بیڈ روم میں آگئی۔ آرام سے صوفے پر بیٹھ کر برکت علی کے کارڈ کو پڑھا۔ پھر بُرا سا منہ بنا کر بولی "برکت کیسا پرانا اور نچلے طبقے کے لوگوں کا نام ہوتا ہے۔ اگر برکت علی چغتائی یا برکت علی جیولرز یا برکت علی ناویل والا یا موتی والا ہوتا تو لگتا۔ برادری اور طبقے کا انسان معلوم ہوتا۔ نان سینس میں تو ایسے سوچ رہی ہوں جیسے اس نام سے مجھے کچھ لینا ہے۔"

اس نے فون کو اپنے قریب کیا پھر ریسیور اٹھا کر کارڈ پر لکھے ہوئے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری طرف رابطہ قائم ہوتے ہی برکت کی آواز سنائی دی "ہیلو یہ بی بی ای موٹرز ہے۔"

نادرہ نے پوچھا "بی بی کا مطلب کیا ہوا؟"

"بالو برکت۔ میرا نام بالو برکت علی ہے [illegible] کاروں کی [illegible] میں کمال ہے۔ ہاں تو تم بے بی نادرہ ہو۔"

"بڑی زبردست یادداشت ہے۔ مختصر سی ملاقات میں آواز اور لہجہ یاد کر لیتے ہو۔"

"تعریف کا شکریہ۔ تم نے کار دیکھی؟ کام پسند آیا؟"

"تم نے بل کیوں نہیں دیا؟"

"تم نے کار دی تھی۔ کام نہیں بتایا تھا۔ میں نے اپنی مرضی سے

فضول ڈراما نگار

شیکسپیئر کو خود اپنے ڈراموں کی صحیح قیمت معلوم نہ تھی۔ ایک دن اپنی ساتھی میریٹ سے کہنے لگا، خدا کسی کو فیم، [illegible] یہ سارے [illegible] ناکام ایکٹر اور فضول ڈرامہ نگار بنتے ہیں:

اس نے چند ڈرامے لکھ کر [illegible] کو بھیجے جس نے انہیں ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ کسی درباری نے کبھی انہیں پڑھنے کے لائق نہیں سمجھا۔ اس لیے جب شیکسپیئر مرنے لگا تو اس نے اپنی وصیت میں اپنے لباس اور بستر تک کا ذکر کیا لیکن اپنے قلمی شاہکاروں کا کوئی ذکر نہ کیا۔

فضل احمد کریم فضلی

کام کیا ہے۔ ایسے میں دل کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔"

"اس مہربانی کے پیچھے کوئی مقصد ضرور ہوگا؟"

"ہاں۔ تم اس قدر پیاری اور من موہنی سی ہو کہ اس بہانے دوسری بار ملنا چاہتا ہوں۔"

"دل کی نہیں، عقل کی بات کرو اور مقصد بتاؤ۔"

"میں نے سنا ہے تم کوئی کار بڑی مشکل سے سال بھر چلاتی ہو پھر اسے فروخت کر دیتی ہو۔ میں چاہتا ہوں تمہاری تمام گاڑیوں کی خرید و فروخت میرے ذریعے ہوتی رہے۔"

"یہ ہوئی کاروباری بات۔ میں تمہاری صاف گوئی سے خوش ہوں۔ میں اس سلسلے میں پاپا سے تمہاری ملاقات کرا دوں گی۔"

وہ یہ باتیں جان بوجھ کر انگریزی زبان میں کہہ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "بڑی مہربانی ہوگی۔ یہی بات مادری زبان میں کہہ دو۔"

"اس کا مطلب ہے تم انگریزی نہیں جانتے۔ تمہاری تعلیم کیا ہے؟"

"اردو اخبار پڑھ لیتا ہوں اور چیک پر انگریزی میں دستخط کر لیتا ہوں۔"

"کیا تمہیں شرمندگی نہیں ہوتی؟"

"ہوتی ہے مگر میں مجبور ہوں۔ بچپن میں والدین کا انتقال ہو گیا۔ کوئی تعلیم دلانے والا نہیں تھا۔ اب روزگار میں الجھا ہوا ہوں۔ تعلیم حاصل کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔"

وہ بولی۔ "پھر تو مجھے افسوس ہے تم سے کاروباری تعلقات نہیں ہو سکیں گے۔"

"کیوں نہیں ہو سکیں گے۔ ہم پاکستان میں ہیں، یہاں اردو زبان میں کاروبار ہو سکتا ہے۔ میں کسی انگریز سے نہیں، تم سے یا تمہارے پاپا سے بزنس کرنا چاہتا ہوں۔"

"ابھی تم دل کی بات کر رہے تھے۔ میں یہ بات انگریزی میں سننا چاہوں گی۔ ایسے میں تم کیا کرو گے؟"

"میں آج ہی سے یہ زبان سیکھنا شروع کر دوں گا۔"

"میں آج ہی تمہاری بات پاپا سے کروں گی۔ کل صبح آؤ۔ ضروری معاملات طے ہو جائیں گے۔"

"صبح پانچ بجے ہوتی ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "تو پانچ بجے آجاؤ۔ بائی دی وے ہمارے ہاں دس بجے تک صبح ہی رہتی ہے۔"

"ٹھیک ہے دس بجے آؤں گا۔"

فون کا رابطہ ختم ہو گیا۔ برکت نے ریسیور رکھتے ہوئے سوچا۔ یہ بھی پہلی ملاقات میں دل کی بات پر اعتراض نہیں کر رہی ہے۔ انگریزی زبان میں عشق کرنا چاہتی ہے۔ یہ زبان سیکھنے میں کافی عرصہ لگے گا۔ تب عرصے تک یا معلوم کتنے عرصے تک اس کی مہربانیاں جاری رہیں گی۔ یہ بھی کوئی چکر چلاتی رہے گی۔ بزنس مین باپ کی بیٹی ہے۔ نہ جانے کس قسم کے مفادات میری ذات سے حاصل کرتی رہے گی۔ ویسے مجھے اپنے مقصد اور منافع پر نظر رکھنی چاہیے۔

وہ دوسرے دن دس بجے اس کوٹھی میں آیا۔ ملازم نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور کہا۔ "بے بی صاحبہ آ رہی ہیں۔"

وہ اس کی آمد کا منتظر چھوڑ کر چلا گیا۔ برکت وہاں کے قیمتی آرائشی سامان کو دیکھنے لگا۔ یہ ایک عجیب اور دلچسپ حقیقت تھی کہ وہ آج تک جتنی عالیشان کوٹھیوں میں داخل ہوا تھا، ان کا دروازہ وہاں کی امیرزادیوں نے کھولا تھا۔ مردانہ وجاہت اور شخصیت امریکن ڈالر کی طرح ہوتی ہے جو ہر ملک، ہر شہر، ہر گلی اور ہر گھر میں کیش ہوتی رہتی ہے۔

دس منٹ گزر گئے، وہ نہیں آئی۔ وہ سینٹر ٹیبل پر سے ایک رسالہ اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگا۔ بہار پر شباب آئے اور رنگ آتے آتے رہ جائے تو تڑپ اور بے چینی بڑھنے لگتی ہے۔ آنے والی کی قدر و قیمت میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ اس نے رسالے سے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ ہال نما وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں وہ اکیلا تھا۔ کہیں سے پازیب کی چھم چھم سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے اور دس منٹ انتظار کیا۔ پھر اٹھ کر ٹہلنا چاہتا تھا کہ اسی وقت چائے آگئی۔

جس کا انتظار ہوتا ہے وہ نہیں آتی، کوئی اور آجاتی ہے۔ اس کی ممی آگئی۔ وہ مسکرا کر کھڑا ہو گیا۔ ممی نے سامنے آ کر اسے سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے دیکھا پھر اونہہ کے انداز میں منہ پھیر کر چلی گئی۔ وہ کھڑا سوچتا رہ گیا کہ بیٹھنا چاہیے یا کھسک جانا چاہیے۔ شاید وہ کھسک جاتا، ایسے وقت وہ آگئی۔ ہنستے ہوئے بولی۔ "سوری، مجھے ذرا دیر ہو گئی۔"

اب یہ بحث ضروری نہیں تھی کہ آتے آتے قیامت کا انتظار کرایا۔ یہی غنیمت تھا کہ آگئی تھی۔ وہ سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "تم نے چائے نہیں پی؟"

"اکیلا آدمی کھاتے پیتے اچھا نہیں لگتا۔"

اس نے چائے کی دو پیالیاں تیار کیں۔ ایک اسے دی پھر بولی۔ "پاپا کسی کام سے گئے ہیں۔ پتا نہیں کب آئیں گے۔ ان سے پھر کبھی ملاؤں گی۔"

"کوئی بات نہیں، تم سے مل رہا ہوں، یہی کافی ہے۔"

وہ اس سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگی۔ "کار ٹریڈنگ کب سے کر رہے ہو؟ مستقبل میں تمہارے عزائم کیا ہیں؟ کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟" اس نے جواب دیا۔ "شادی بھی ہو گئی، بچے بھی ہو گئے ہیں۔"

نادرہ کے ہونٹوں سے مسکراہٹ بجھ گئی۔ وہ بڑی دیر تک کچھ بول نہ سکی۔ وہ بولتا رہا۔ "میں نے بچپن کا وعدہ وفا کیا ہے۔ اپنے

ایک محسن کی بیٹی سے شادی کی ہے۔ مجھے بھی جلدی شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ ابھی بزنس کا پھیلاؤ اور نفع عروج پر ہے لیکن بانو مجھ سے کوئی دس برس بڑی ہے۔ اس کی عمر کو دیکھتے ہوئے شادی کرنی پڑی۔"

نادرہ نے بڑی دیر کی خاموشی کے بعد حیرانی سے پوچھا: "تم سے دس برس بڑی ہے اور تم نے شادی کر لی؟"

"میں زبان کا دھنی ہوں۔ جان دے کر بھی قول پورا کرتا ہوں۔"

نادرہ نے دل ہی دل میں کہا: "پھر تو بڑے احمق ہو۔ تمھاری شخصیت کا یہ پہلو مجھے پسند ہے۔ تم میرے پاس آتے جاتے یا تو قول توڑنا سیکھ لوگے یا پھر مجھے دیے ہوئے قول کے ہمیشہ پابند رہو گے۔"

برکت نے کہا: "تم کسی سوچ میں گم ہو گئی ہو۔"

وہ چونکنے کے انداز میں بولی: "ہاں، میں نے تمھیں پہلی بار ٹی وی اسکرین پر دیکھا تھا اور یہ رائے قائم کر لی تھی کہ تمھیں آگے بڑھانے والا ایک ہاتھ مل جائے تو تم دولت، عزت اور شہرت کی بلندیوں کو چھو لو گے۔ مگر تم نے بیوی بچوں کی زنجیریں پہن لی ہیں۔"

اس نے پوچھا: "بیوی بچوں سے کیا فرق پڑتا ہے۔ دُنیا کے ٹاپ کے بزنس مین بیوی بچوں والے ہوتے ہیں۔"

"وہ پہلے ٹاپ پر پہنچتے ہیں پھر شادی کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہوں جنھیں بلندی تک جانے کے لیے کسی کے تعاون کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ مگر تمھیں کسی کے بھرپور تعاون کی ضرورت ہے۔"

"مجھے یہ تعاون کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟"

"تم جان دے کر بھی قول پورا کرتے ہو۔ جو ایک ہی قول میں اٹک جائے وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اگر تم سے کہا جائے، بیوی بچوں سے نجات حاصل کر لو اور صرف کاروبار میں گم ہو جاؤ تو تم کیا کرو گے؟"

"میں بیوی بچوں پر ظلم نہیں کروں گا۔"

"اگر کہا جائے تعلقات ختم نہ کرو صرف رابطہ ختم کر دو۔ ان کی ضرورت کے مطابق معقول رقم بھیجتے رہو۔ بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلاتے رہو۔ ان کے لیے معقول حد تک جائیداد خریدتے رہو تو یہ ظلم نہیں ہوگا۔"

"اُن سے رابطہ کیوں ختم کیا جائے؟"

"میں مزید وضاحت نہیں کر سکتی۔ جو بات میری سمجھ میں آئی، وہ میں نے کہہ دی۔ تمھارے لیے سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کا وقت ہے لیکن بہت کم وقت ہے۔ باہر نئی گاڑی ہے جس کی تم نے مرمت کی، بہانے سے لے جاؤ اور اچھے داموں فروخت کر دو۔ تمھیں میرا نہیں، پاپا کا دل جیتنا ہے۔ اب میں آرام کروں گی۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولا: "کل ملاقات ہوگی؟"

"جب تک بلندیوں کو چھونے کا معقول فیصلہ نہیں کرو گے، میں تم سے نہیں ملوں گی۔"

"تم نے بڑی الجھن میں ڈال دیا ہے۔ پھر بھی کل اپنا فیصلہ ضرور سناؤں گا۔ اس کے لیے جتنی دیر کروں گا اتنا ہی تمھارے دیدار سے محروم رہوں گا۔"

وہ اپنی مسکراہٹ کو چھپا نہ سکی۔ برکت اس کی چاہت کے اظہار میں اسی وقت فیصلہ سنا چکا تھا۔ نادرہ جو چاہتی تھی اس کے لیے وہ اندر ہی اندر آمادہ ہو چکا تھا۔ وہ نادان نہیں تھا۔ یہ جانتا تھا کہ روزینہ کی طرح اور بھی لڑکیاں اس کی زندگی میں آئیں گی اور پتا نہیں اسے کتنی دور تک بہا کر لے جائیں گی۔ اسی لیے اس نے بانو سے پکے کاغذ پر لکھوا لیا تھا۔ وہ گھر سے باہر کسی معاملے میں مداخلت نہیں کر سکتی تھی۔ اُسے جس حال میں رکھا جاتا وہ اسی حال میں زندگی گزار لیتی۔ پھر وہ بے حس اور بے مروت نہیں تھا۔ اپنے بچوں سے بہت پیار کرتا تھا اور پیار کا تقاضا تھا کہ ان کے بہترین مستقبل کے لیے ایک طویل عرصے تک اُن سے دور رہے۔

اُس نے دوسرے دن اپنا فیصلہ سنا کر نادرہ کا دل جیت لیا لیکن میدان جیتنے کے لیے نئی مشکلات سامنے آئیں۔ نادرہ کے والدین نے برکت کی شدت سے مخالفت کی۔ باپ نے کہا: "بے بی! مجھے تمھاری کاروباری ذہانت پر بڑا ناز تھا۔ تم نے ایک بیوی بچوں والے کو پسند کر کے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔"

"پاپا! آپ اس کے بیوی بچوں کو بھول جائیں۔ اُن کی موجودگی نہ ہونے کے برابر ہوگی۔ مجھے برکت کی سچائی اور وفاداری نے متاثر کیا ہے۔ وہ ہمیشہ میرا وفادار رہے گا۔ میں رفتہ رفتہ سوکن اور سوتیلے بچوں کا کانٹا نکال کر پھینک دوں گی۔"

ماں نے غصے سے کہا: "میں پوچھتی ہوں آخر اس میں خوبی کیا ہے؟"

"یہی سوال میں کروں گی کہ اس میں خرابی کیا ہے؟"

باپ نے کہا: "بہت سی خرابیاں ہیں۔ وہ بہت بھوکے طبقے

اُمِ رباب فاطمہ کاظمی، کراچی

ایک لڑکی نے اپنے بوائے فرینڈ کو ٹیلی فون پر بتایا۔ "آج شام کو تم ہمارے گھر نہ آنا۔ پاپا بہت غصے میں ہیں۔ انھیں معلوم ہو گیا ہے کہ کل شام ہم ان کی کار لے گئے تھے۔"

بوائے فرینڈ نے پوچھا: "مگر انھیں پتا کیسے چلا؟"

لڑکی بولی: "پتا کیسے چلا؟ ہم نے ان کے ٹکر مار دی تھی نا۔"

سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا کوئی فیملی بیک گراؤنڈ نہیں ہے۔ کوئی ذات برادری نہیں ہے۔ کوئی سماجی مرتبہ نہیں ہے۔ تم ایک کچی عمر اور کچے ذہن کی لڑکی ہو۔ اس کی مردانہ وجاہت اور قد و قامت کو دیکھ کر متاثر ہو گئی ہو مگر ہم کچے نہیں۔ اپنی آنکھوں کے سامنے تمہیں گڑھے میں گرنے نہیں دیں گے۔"

"پاپا! میرے ذہن میں ایک زبردست پلاننگ ہے۔ میں بہت جلد اسے اپنی سطح پر لے آؤں گی۔"

"بحث نہ کرو۔ صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ ابھی تمہاری فیصلہ کرنے کی عمر نہیں ہے۔ اکیس برس کی ہو جاؤ گی تو تمہاری باتیں سنوں گا۔ تب تک برکت سے دور رہو۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے کبھی کسی کو بوائے فرینڈ نہیں بنایا۔ مجھے یقین ہے تم برکت سے بھی کوئی رابطہ نہیں رکھو گی۔"

باپ یہ کہہ کر باہر چلا گیا تاکہ بیٹی کو مزید بحث کا موقع نہ ملے۔ بیٹی بھی ضدی تھی۔ ماں باپ کے پیچھے پڑ گئی۔ تقریباً ایک ہفتے تک بحث چلتی رہی۔ اس نے برکت کی خاطر بھوک ہڑتال کی دھمکی دی۔ باپ نے کہا۔ "میں تمہیں جان سے زیادہ چاہتا ہوں۔ ایک وقت بھی فاقہ کرتے دیکھوں گا تو زہر کھا کر مر جاؤں گا۔ یہ دیکھو زہر کی شیشی۔ تمہاری مسلسل ضد اور ہٹ دھرمی کو دیکھ کر میں پچھلے دو دنوں سے اسے جیب میں لیے گھومتا ہوں اور تم جانتی ہو۔ میرا ارادہ کتنا اٹل ہوتا ہے۔"

وہ بھوک ہڑتال سے باز آ گئی۔ باپ نے کہا۔ "مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہو تو لندن جانے کی تیاری کرو۔ تم مستقل وہاں رہو گی اور اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھو گی۔"

"میں سمجھ رہی ہوں آپ مجھے یہاں سے بھگا رہے ہیں۔ تاکہ میرا موجودہ فیصلہ رفتہ رفتہ کمزور پڑ جائے۔"

"تم کچھ بھی سمجھو۔ اگر شام تک تم نے لندن میں رہائش اختیار کرنے کا فیصلہ نہ کیا تو صبح میری لاش دیکھو گی۔"

وہ مجبور ہو گئی۔ وہ اس کا آئیڈیل باپ تھا۔ اسے کانٹا چبھتا تھا تو یہ رو دیتی تھی۔ اس لیے باپ کی محبت کی خاطر جانے پر راضی ہو گئی۔ سفر کی شاپنگ کے لیے کار لے کر نکلی پھر برکت کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا ابھی تک گول میز کانفرنس جاری ہے؟"

"ہاں! پاپا نے تم سے دور کرنے کے لیے مجھے لندن جانے کا حکم دیا ہے۔"

"اور تم جا رہی ہو؟"

"میں بتا چکی ہوں۔ مجھے پاپا سے کتنا پیار ہے۔ میں جاؤں گی لیکن تم سے دور نہیں رہوں گی۔ تم بھی لندن میں رہو گے۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟ یہاں میرے کاروبار کا کیا ہو گا؟"

"کاروبار منیجر اور ملازمین سنبھالتے ہیں۔ مالک صرف ان کی نگرانی کرتا ہے اور احکامات صادر کرتا ہے۔ تم چھ چھ ماہ یا ہفتہ دو ہفتہ میں آ کر یہاں کی ذمہ داریاں پوری کر سکتے ہو پھر کسی امپورٹ لائسنس کے بغیر تم وہاں سے نئی کاریں اپنے شوروم میں لا سکتے ہو۔"

برکت بھی امپورٹ لائسنس کے بغیر ایسا دھندا جانتا تھا۔ یہ کہ کاؤنٹر پارٹیوں سے مل کر ہر ماہ دو ماہ میں کسی پاکستانی کو گفٹ کے بہانے کار دلائی جا سکتی ہے۔ گفٹ کاریں یہاں آتے ہی اچھے داموں فروخت کر دی جاتی ہیں۔ برکت کے پاس پہلے ایسے ذرائع نہیں تھے۔ اب وہ نادرہ کے تعاون سے ایسا کر سکتا تھا۔ نادرہ نے کہا۔ "تم اچھا خاصا کاروبار بھی کرو گے اور انگریزی بھی آسانی سے سیکھتے رہو گے۔ اس سے بڑی خوشی کیا ہو گی کہ ہم ولایت ساتھ رہیں گے۔"

ان کے درمیان یہ طے پایا کہ نادرہ کی روانگی کے ایک ہفتے بعد وہ لندن چلا جائے گا۔ ویسے نادرہ مقررہ دن نہ جا سکی۔ اچانک اس کی ممی کا انتقال ہو گیا۔ وہ ماں کے سوگ میں اور چار دن رہ گئی حالانکہ اسے چالیس دن تک رہنا چاہیے تھا لیکن باپ اس بہانے برکت کا راستہ ہموار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بیٹی کو زبردستی اسی دن بھیج دیا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے سیکرٹری سے کہا۔ "بی بی موٹرز والے برکت پر نظر رکھو۔ دو چار روز میں بتاؤ کہ وہ یہاں موجود ہے یا نہیں؟"

سیکرٹری کی رپورٹ کے مطابق وہ موجود تھا پھر ایک ہفتے بعد غائب ہو گیا۔ منیجر نے بتایا۔ "برکت صاحب لاہور میں شوروم کے لیے جگہ خریدنے گئے ہیں۔ پتا نہیں کتنے ہفتے یا مہینے بعد آئیں گے۔"

بہرحال دو عشق کرنے والے دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر لندن کی رنگین فضاؤں میں سہانی راتیں اور محبت کے دن گزارنے لگے۔ ڈیڑھ برس بعد وہ اکیس برس کی ہو گئی۔ اس نے بالغ ہونے کا میڈیکل سرٹیفکیٹ حاصل کیا پھر کورٹ میرج کے ذریعے مسز نادرہ برکت بن گئی۔

ان کے درمیان طے پایا کہ شادی کو جب تک راز میں رکھا جا سکتا ہے تب تک وہ سوسائٹی میں صرف دوست کہلائیں گے۔ جب نادرہ کا باپ اس کی شادی کے لیے بہت اصرار کرے گا تب وہ میاں بیوی ہونے کا انکشاف کریں گے۔ اس طرح اندیشہ تھا کہ باپ یا تو خودکشی کر لیتا یا پھر بیٹی کو اپنی دولت اور جائداد سے محروم کر دیتا۔ نادرہ نے شادی تو کر لی تھی لیکن اندیشوں میں گھری رہتی تھی۔

خوش بختی برکت کے حصے میں آئی تھی۔ دو برس کے بعد نادرہ کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ وہ آنسو بہاتی لندن سے واپس آ گئی۔ اب وہ اسیر حتی یتیم ہو گئی تھی۔ باپ کے چالیسویں تک کتنے ہی ہمدرد اور غمگسار پیدا ہوئے۔ دوسرے ماہ برادری سے اور اونچے طبقے سے شادی کے پیغامات آئے۔ اس نے برکت سے شادی کرنے کا اعلان کر دیا۔

پھر تیسرے ماہ دُنیا والوں کو دکھانے کے لیے دوبارہ شادی کرلی۔

جب تک شادی راز میں تھی، رومانس میں بڑا مزہ آتا تھا۔ چھپ چھپ کر ملنے میں زیادہ بھلا لگتا تھا۔ وصال سے پہلے تک کی رُومانیت ہوتی تھی۔ وصال کے دوران پکڑ کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ میاں بیوی ہونے کا اعلان کرنے کے بعد محبت کی ساری دلچسپیاں ماضی کا فسانہ بن جاتی ہیں۔ صرف اخلاقی، سماجی اور گھریلو ذمے داریاں رہ جاتی ہیں اور یہ ذمے داریاں تمام عمر فرض کے طور پر پوری کی جاتی ہیں۔

نادرہ اعلیٰ خاندان اور اعلیٰ طبقے کی پروردہ تھی اس لیے احساسِ برتری میں مبتلا رہتی تھی۔ ابتدا میں برکت نے اس کے مزاج کو نظرانداز کیا۔ پہلے پہل یہ بات ناگوار گزرتی تھی کہ اونچے طبقے میں اور کاروباری حلقوں میں وہ نادرہ کے حوالے سے پہچانا جاتا تھا۔ تمام لین دین نادرہ کے حوالے سے ہوتا تھا۔ چیک پر بیوی کے دستخط ہوتے تھے۔ وہ اہم کاروباری معاملات طے کرتی تھی اور جن کاروباری لوگوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی تھی یا انھیں کسی معاملے میں ٹالنا ہوتا تھا تو وہ برکت کو اُن سے گفتگو کرنے کے لیے کہتی تھی۔ اس طرح وہ شوہر کم اور سیکریٹری زیادہ لگتا تھا۔

اس نے شکایت کی "نادرہ! میں اپنی شناخت تمھارے حوالے سے نہیں چاہتا۔ آیندہ میں تمھارے کاروباری معاملات میں کسی سے گفتگو نہیں کروں گا۔"

"پھر تم کاروباری ہیرا پھیری کو کیسے سمجھو گے؟"

"جس حد تک سمجھتا ہوں، وہی کافی ہے۔"

"کاروبار اور بڑھتی ہوئی آمدنی کو کبھی کافی نہیں سمجھنا چاہیے۔ بزنس کی دُنیا میں تمھیں ایک لمبی چھلانگ مارنی ہوگی۔ میں نے تمھارے لیے ایک پلاننگ کی ہے۔"

"اپنی پلاننگ بتانے سے پہلے یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ میں کوئی کاروبار تمھارے نام سے نہیں کروں گا۔ میں تمھاری سوسائٹی میں اپنی الگ حیثیت سے مقام حاصل کروں گا۔"

"میں نے جو پلاننگ کی ہے اس میں پچیس اور پچاس لاکھ بھی خرچ ہو سکتے ہیں اور ایک کروڑ بھی خرچ ہو سکتے ہیں۔ رقم میری خرچ ہوگی اور نام تم کرو گے۔ آخر میرے نام سے جلنے کیوں لگے ہو؟"

"میں تم سے اور تمھارے نام سے محبت کرتا ہوں۔ اپنی الگ حقیقت منوانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم سے حسد یا جلن ہے۔"

"تم مردوں کی فطرت سمجھ میں نہیں آتی۔ بیوی سے رقم لو گے، نام نہیں لو گے۔"

"اگر میں تم سے رقم مانگتا تو بے غیرت کہلاتا۔ پلاننگ تم خود کر رہی ہو۔"

"میں نے تمھیں مانگنے کا کبھی موقع ہی نہیں دیا۔ منہ کھولنے سے پہلے تمھاری لاکھوں کی ضرورت پوری کر دیتی ہوں۔ پہلے تم محض ایک مشہور پہلوان تھے لیکن آج جو تمھاری عزت اور شہرت ہے وہ میری وجہ سے ہے۔"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا، مجھے خیالی عزت اور شہرت والی بات سمجھا دی۔ آج سے میں ان سب چیزوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔ تعجب ہے آدمی محبت میں اس قدر عقل کا اندھا ہو جاتا ہے کہ شادی کے بعد بیوی کے گھر میں رہتے ہوئے بے غیرتی کا پتا نہیں چلتا۔ منہ پر تھوک آکر پڑے تو بات سمجھ میں آتی ہے۔"

"دیکھو برکت! ایسی سخت باتیں نہ کہو۔ خدا جانتا ہے، میں نے تمھیں طعنہ نہیں دیا ہے اور نہ ہی تمھاری موجودہ عزت کو خیالی سمجھتی ہوں۔ میرا جو کچھ ہے، وہ سب تمھارا ہے۔ میں سر سے پاؤں تک تمھاری ہوں۔ تم جھگڑا بڑھانے والی باتیں نہ کرو۔"

جھگڑے کی ابتدا ہو چکی تھی۔ برکت اُس رات کوٹھی میں نہیں آیا۔ نادرہ خواہ کتنی ہی مغرور اور ضدی تھی مگر برکت کی دیوانی تھی۔ اُسے ٹوٹ کر چاہتی تھی۔ وہ رات کو [illegible] انتظار کرتی رہی۔ غصے میں کھانا لگوایا یہ کہنے کے لیے کہ مجھے تمھاری پروا نہیں ہے۔ میں شوہر کے انتظار میں بھوکی رہنے والی عورت نہیں ہوں۔ وہ ضد میں آکر بڑی مشکل سے آدھی روٹی کھا سکی لیکن اس کے بغیر سو نہ سکی۔ صبح چار بجے تک کروٹیں بدلنے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے نیند آگئی۔

صبح دس بجے اس نے بی بی موٹرز میں فون کیا۔ برکت کی آواز سُن کر پوچھا "تم کہاں ہو؟ گھر کیوں نہیں آئے؟"

اس نے جواب دیا "میں رات بھر سوچتا رہا میرا گھر کہاں ہے؟ بانو سے شادی کی، اس کے گھر میں رہ گیا۔ تم سے شادی کی، تمھارے گھر چلا گیا۔ میرے ساتھ یہ المیہ ہے کہ مجھے بڑی مشکل سے عقل آئی ہے۔ آج پوری دانشمندی سے سوچ رہا ہوں کہ پچھلے برسوں میں خوب کمایا مگر اپنا ایک گھر نہیں بنایا۔ گھر اس لیے نہیں بنایا کہ آج تک مکان نہیں بنایا۔ مکان ہوتا تو اس میں میرے بیوی بچے ہوتے تو ایک گھر کی جنت دیکھنے کو ملتی۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ یہ گھر تمھارا گھر ہے۔ شام کو جلدی آجانا۔ سلیمان بھائی کے ہاں ولیمے کی تقریب میں شریک ہونا ضروری ہے۔"

"تمھارے لیے ضروری ہے۔ اُس کوٹھی میں جو بھی شادی، ولیمے یا کاک ٹیل پارٹی کی دعوت دینے آتا ہے وہ پہلے تم سے مل کر دعوت نامہ دیتا ہے اور رسماً کہتا ہے کہ برکت صاحب کو ساتھ لائیے گا۔ گویا کتا ہو جو پٹا پہن کر آئے گا۔"

"یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ کیا دماغ چل گیا ہے؟"

"میں پورے ہوش و حواس میں رہ کر ایک کوٹھی اپنے لیے خریدنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ میرے بینک بیلنس کے مطابق کوٹھی

مل جائے گی تو وہاں تمہارے ساتھ زندگی گزاروں گا۔"

"احمقانہ خواب نہ دیکھو۔ تم جتنی بڑی کوٹھی خریدو گے، وہ اس کوٹھی کے ایک گوشے کے برابر ہوگی۔ کیا تم ایک بڑی جگہ سے مجھے چھوٹی جگہ لے جا کر میری ہنسی اڑاؤ گے؟ میں ایسی نادان نہیں ہوں۔"

"میں کوٹھی خریدنے کے بعد تمہیں لینے آؤں گا۔ انکار کرو گی تو ضد نہیں کروں گا۔ یہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم مجھ سے زیادہ ضدی ہو۔ لہٰذا تمہارے دعوے کی نفی نہیں کروں گا۔"

"تم بڑی خوب صورتی سے مجھے ضدی اور سرکش عورت کہہ رہے ہو جب کہ تم ضد کر رہے۔ میں دیکھوں گی تم کب تک نہیں آؤ گے۔ یہ خیال دماغ سے نکال دو کہ میں خوشامد کروں گی۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے بعد بڑی دیر تک غصے میں تلملاتی رہی۔ برکت اس کے پاس نہ آ کر اس کی عالیشان کوٹھی کو ٹھکرا کر اس کی توہین کر رہا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق دوسرے مردوں کی طرح شادی کے بعد اپنا اصلی روپ دکھا رہا تھا۔ وہ ولیمے کی تقریب میں جانے سے پہلے آئینے کے سامنے بنتی سنورتی رہی اور اس کا انتظار کرتی رہی پھر غصے میں تنہا چلی گئی۔ اس نے سوچا کوئی ضرورت نہیں ہے کہ شوہر ہمیشہ باڈی گارڈ کی طرح ساتھ ہو۔ کبھی تنہا اور آزاد بھی رہنا چاہیے۔

تقریب میں دوسری عورتیں اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ آئی تھیں۔ وہ جہاں سے گزرتی تھی، جس سے ملتی تھی، وہی پوچھتا تھا یا پوچھتی تھی "تمہارے صاحب نظر نہیں آ رہے ہیں؟ ایسی بھی کیا مصروفیت ہے۔ شام کے بعد مرد کا تمام وقت بیوی کے لیے ہوتا ہے۔ جو یہ وقت اپنی عورت کو نہیں دیتا وہ دوسری عورت کے پیچھے بھٹکتا ہے۔ مرد صرف دولت کی زنجیروں سے باندھ کر نہیں رکھا جا سکتا۔ اسے پابند رکھنے کے لیے حکمت عملی لازمی ہوتی ہے۔ تعجب ہے، شادی کے چھ ماہ بعد ہی تم اکیلی ہو گئیں۔"

وہاں جتنے منہ تھے اتنی باتیں تھیں۔ باتیں بڑے ہی میٹھے انداز میں تھیں مگر نشتر کی طرح لگ رہی تھیں۔ یہ حقیقت پہلی بار سمجھ میں آئی کہ اب وہ سوسائٹی میں برکت کے بغیر ادھوری ہے۔ شوہر ایک شناختی کارڈ ہوتا ہے اگر وہ اس شناختی کارڈ کو ہمیشہ اپنے ساتھ نہیں رکھے گی تو معاشرہ اسے ستر دکی ہوئی عورت سمجھے گا۔

اس نے دوسرے دن فون کیا "برکی آ جاؤ۔"

وہ غصے سے برکت کہتی تھی اور پیار سے برکی۔ وہ بولا "میں ایک کوٹھی پسند کرنے جا رہا ہوں۔ تمہاری پسند بھی ضروری ہے تم ہی چلی آؤ۔"

وہ بات بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے شوروم میں پہنچ گئی۔ وہاں دفتری کمرے کو اندر سے بند کر کے اس سے جھگڑا بھی کیا، پیار بھی کیا۔ اسے سمجھایا "جان! میری عزت کا خیال کرو۔ چار چھ لاکھ کی کوٹھی خریدو گے تو لوگ پیٹھ پیچھے میرا مذاق اڑائیں گے۔ میری کوٹھی ایک کروڑ بیس لاکھ کی ہے۔ تمہیں کم از کم پچاس لاکھ کا مکان خریدنا چاہیے تھا۔"

"میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے۔"

"مجھ سے لے لو۔ دیکھو طعنے نہ دینا۔ میری محبت اور امداد کو خیرات نہ کہنا۔ تمہیں بڑی جلدی غصہ آ جاتا ہے۔"

"میرے خیرات نہ کہنے سے کیا وہ امداد خیرات نہیں کہلائے گی۔"

"امداد نہ لو۔ قرض لے لو۔ قسطوں میں رقم واپس کر دینا۔"

"میرے شوروم کی آمدنی اتنی نہیں ہے۔ تمہارا قرض ادا کرتے کرتے میری آیندہ نسلیں بھی گزر جائیں گی۔"

"تمہاری آمدنی بڑھے گی۔ میں پلاننگ کر چکی ہوں۔"

"آخر وہ پلاننگ کیا ہے؟"

"تم مشہور و معروف سیاسی لیڈر آصف سردار کو جانتے ہو۔"

"اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ تمہارے ڈیڈی کے بہت اچھے دوست رہ چکے ہیں۔ سیاست میں بڑا نام ہے۔"

"الیکشن قریب ہیں۔ یہ بڑا سیاسی لیڈر الیکشن [illegible]ن کھڑا ہو گا تو مخالفوں کو شکست دیتا ہوا قومی اسمبلی میں پہنچ [illegible] ئے گا۔ اپنی سیاسی چالوں سے کوئی بڑا وزیر بھی بن جائے گا۔"

"یہ تم سیاسی باتیں کیوں چھیڑ رہی ہو؟"

"میں کاروباری باتیں کر رہی ہوں۔ الیکشن لڑنے کے لیے کثیر سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم آصف سردار کو رقم دیں گے۔ پچیس لاکھ، پچاس لاکھ، پچھتر لاکھ جتنی اسے ضرورت ہوگی، ہم اسے قرض دیتے جائیں گے۔ میں اس سے معاملات طے کر چکی ہوں، وہ پچیس لاکھ لینے سے پہلے پچاس لاکھ کا پرونوٹ لکھ کر دے گا۔ یعنی جتنی رقم لیتا جائے گا اس کی دوگنی رقم کا قرضدار ہوتا جائے گا۔"

"کوئی ضروری تو نہیں کہ وہ وزیر بن جائے اور ملکی خزانے کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر ہمیں منافع دیتا رہے۔"

"ریس کھیلنے والا ماہر پہلے گھوڑے کی ہسٹری معلوم کرتا ہے، اس کی میڈیکل رپورٹ دیکھتا ہے، اس کی چال اور چال بازی کے انداز کو سمجھتا ہے پھر بڑی سے بڑی رقم لگاتا ہے۔ میرے پاپا سیاسی داؤ پیچ کے ماہر تھے اور اکثر سیاست کے میدان میں اپنی پسند کے گھوڑے دوڑاتے رہتے تھے۔ انھیں صرف ایک بار ناکامی ہوئی ورنہ وہ ہمیشہ جیتنے والے گھوڑوں سے کاروباری مفادات حاصل کرتے رہے۔ انھوں نے ایک بار مجھ سے کہا تھا 'یہ آصف سردار جیتنے والا گھوڑا ہے۔ آیندہ الیکشن میں اس پر رقم لگاؤں گا۔' آہ! ڈیڈی نہیں

رہے ہیں ان کے تجربات سے فائدہ اُٹھانا چاہتی ہوں۔"

"مائی گاڈ! تم کتنی بڑی رقم سے جوا کھیلنا چاہتی ہو؟"

"یہ جوا نہیں کھیلو گے۔ میں تمھیں قرض دوں گی یا تمھاری پارٹنر رہوں گی۔ رقم میری اور بھاگ دوڑ تمھاری ہوگی۔ خدانخواستہ نقصان ہوا تو میں برداشت کروں گی۔ فائدہ ہوتا ہے تو ففٹی ففٹی۔"

وہ بڑی بحث و تکرار کے بعد راضی ہوگیا۔ نادرہ ایک بہت ہی چالاک بزنس مین کی بیٹی تھی۔ اس نے برکت سے تحریری معاہدہ کیا۔ آصف سردار ایک معروف کاروباری علاقے میں بہت بڑی زمین کا مالک تھا۔ ان دنوں وہ علاقہ کمرشل نہیں تھا۔ زمینیں بہت زیادہ مہنگی نہیں تھیں۔ نادرہ نے آصف سردار سے پرونوٹ لکھوایا اس کے عوض جتنی رقم دی اس میں زمین بھی اپنے نام کرالی۔ برکت نے الیکشن کا نتیجہ سامنے آنے تک اس زمین پر پلازا تعمیر کرایا۔ شہر کی آبادی آندھی کی رفتار سے بڑھتی جارہی تھی۔ رہائشی فلیٹ بک ہونے لگے۔ نوٹوں کی بارش ہونے لگی۔ یہ کاروبار برکت کے نام سے ہو رہا تھا اور توقع سے زیادہ برکت ہو رہی تھی۔ خوش نصیبی اس کے نام اور کام سے چپک کر رہ گئی تھی۔

آصف سردار الیکشن میں ووٹوں کی بھاری تعداد سے جیت گیا چونکہ وہ حکمران جماعت سے تعلق رکھتا تھا اس لیے کسی روک ٹوک کے بغیر وزیر بن گیا۔ نادرہ اور برکت کی چاندی ہوگئی۔ پانچ برس کے عرصے میں اس کی وزارت کے شعبے بدلتے رہے۔ ان کی مناسبت سے برکت نے کبھی مہنگا، نافع بخش سامان منگوانے کا امپورٹ لائسنس حاصل کیا۔ کبھی لانگ روٹ کی درجنوں گاڑیاں چلانے کا اجازت نامہ لیا۔ کبھی شہر کے مختلف ترقی پذیر علاقوں میں سرکاری کاغذات پر سستی زمینیں خریدیں۔ رہائشی فلیٹس، بنگلوز، شاپنگ سینٹرز اور فائیو اسٹار ہوٹل تعمیر کرائے۔ کسی کی کامیابی سمندر کے کنارے روشنی کے مینار کی طرح ایستادہ رہتی ہے۔ کسی کی کامیابی جھاگ کی طرح بیٹھ جاتی ہے۔ پانچ برس بعد آصف سردار کو سیاسی زوال آیا اور برکت کا شمار شہر کے چند بڑے سرمایہ داروں میں ہونے لگا۔

روشنی کے ساتھ سایہ ضرور ہوتا ہے۔ زندگی کے روشن پہلو کے ساتھ تاریک پہلو لازمی ہوتا ہے۔ دونوں نے ایک دوسرے کے اشتراک سے کامیابیاں حاصل کی تھیں لیکن مزاج وہی پرانا تھا۔ نادرہ کو ناز تھا کہ اس کی رقم اور حکمت عملی سے برکت سرمایہ داروں کی صف میں آگیا ہے۔ اگرچہ یہ درست تھا تاہم یہ احسان اُسے مجروح کرتا تھا۔ وہ اپنی انا کی تسکین کے لیے کہتا تھا "رقم اور حکمت عملی اُس وقت تک کام نہیں آتی جب تک مجھ جیسا کام کرنے والا ایماندار آدمی نہ ہو۔ اگر تم میری بیوی نہ ہوتیں تو میں کروڑوں روپے ہضم کر جاتا اور تمھیں پتا بھی نہ چلتا۔ ہماری کامیابی کی بنیادی وجہ میری دیانتداری اور سخت محنت ہے۔"

وہ تسلیم نہیں کرتی تھی۔ اپنی رقم کو اہمیت دیتی تھی اور کہتی تھی "جب میں ٹھوس منصوبہ بندی کرسکتی ہوں تو کام کرنے والے دیانتدار لوگوں کو ملازم بھی رکھ سکتی ہوں۔ دیانتدار تو چھوٹی تنخواہ کے عوض مل جاتے ہیں لیکن چھوٹی رقم سے تم موجودہ مقام تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔"

"لعنت ہے تم پر اور تمھاری رقم پر۔ جب دیکھو احسان جتاتی رہتی ہو۔ کسی دن غصہ آگیا تو منہ توڑ کر ہمیشہ کے لیے زبان بند کردوں گا۔"

"پہلوانوں کی طرح دھمکی نہ دو۔ میں جاہل عورتوں کی طرح مار کھانے سے پہلے ہی تمھیں عدالت کے کٹہرے میں پہنچا دوں گی۔"

"میں وہ مرد نہیں ہوں جو عدالت میں پہنچ کر بیوی سے معافی مانگتے ہیں۔ میں اس سے پہلے ہی تمھیں طلاق دے دوں گا۔"

"ارے تم کیا دو گے، میں اپنے وکیل کے ذریعے طلاق کے کاغذات بھیج دوں گی۔ میں جس اونچی سطح پر زندگی گزار رہی ہوں وہاں ہم جیسی عورتوں کے لیے طلاق گالی نہیں ہوتی۔"

"تو پھر دیر کیوں کرتی ہو، کاغذات بھیج دو، میں دستخط کردوں گا۔"

وہ پیر پٹختی ہوئی دروازے تک گئی پھر وہاں سے پلٹ کر بولی۔

"ہم ایک ہفتے تک نہیں ملیں گے اور ٹھنڈے دماغ سے سوچیں گے۔ اس کے بعد بھی ایک دوسرے کے لیے دل میں جگہ نہ ہوئی تو ہم علیحدگی اختیار کرلیں گے۔"

وہ برکت سے منہ پھیر کر چلی آئی۔ اُس وقت ایسا لگ رہا تھا جیسے برکت کے لیے اب دل میں جگہ نہیں ہوگی۔ وہ بے وفا اور احسان فراموش ہے۔ بدتہذیب بھی ہے۔ بیوی کے ساتھ تمیز سے رہنا نہیں جانتا ہے۔ "میں تو شادی کر کے پچھتا رہی ہوں۔" اس نے سوچا۔

رفتہ رفتہ غصہ کم ہوا تو برکت نے سوچا: نادرہ اچھی ہے۔ بہت اچھی ہے۔ بس یہی خرابی ہے کہ ہتک آمیز انداز میں احسان جتاتی ہے۔ اگر وہ اتنا کہہ دے کہ اپنے محبوب کی کامیابی اور کامرانی کے لیے رقم لگاتی رہی ہے تو میں محبت سے سر جھکا کر اُس کی عظمت کا اعتراف کرلوں گا۔

تیسرے دن جانے کیا ہوا۔ اچانک ہی نادرہ کا سر چکرایا۔ وہ فوراً ہی بیٹھ گئی۔ یہ چند لمحوں کی بات تھی۔ وہ پھر نارمل ہوگئی۔ اُسے گرمی لگ رہی تھی۔ بجلی گئی ہوئی تھی۔ ائرکنڈیشنر خاموش تھے۔ اس نے انٹرکام پر سیکریٹری کو حکم دیا "جنریٹر آن کرو۔"

اس نے جھنک دے کر ریسیور رکھا تو اسی وقت متلی ہونے لگی۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی باتھ روم میں آئی پھر بیسن پر جھک گئی۔ قے ہونے والی تھی مگر نہیں ہو رہی تھی مگر حلق سے زرد پانی نکل رہا تھا۔ وہ خوش ہوگئی۔ شاید یہی حال بننے کے آثار تھے۔ اس نے باتھ روم سے آکر ایک لیڈی ڈاکٹر کو فون کیا۔ وہ ڈاکٹر اُس کی سہیلی بھی تھی۔ نادرہ نے مسکرا کر

کہا: "شاید مُراد پوری ہونے والی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے سر چکرایا تھا۔ پھر اُبکائیاں سی آنے لگیں۔ فوراً چلی آؤ۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو۔ میرے کلینک کا وقت ہو گیا ہے۔ بڑی بڑی بیگمات میرے انتظار میں بیٹھی ہوں گی تم کلینک آ جاؤ۔"

"ٹو ہیل ود یور کلینک۔ زیادہ بکواس نہ کرو۔ فوراً چلی آؤ۔ ورنہ ٹھیک نہیں ہوگا۔"

"یہ حکم دینے والی عادت سے باز نہیں آؤ گی۔ اسی لیے میاں سے تمہارا جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ ابھی آ رہی ہوں۔"

وہ ریسیور رکھ کر بستر پر لیٹ گئی۔ مُسکراتے ہوئے چھت کو تکنے لگی۔ وہاں برکت نظر آ رہا تھا۔ اُسے پہلوان پر بڑا پیار آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ آج بڑی خوش خبری کیسے سناؤں گی؟ وہ آئے گا تو پہلے اس کی گردن میں بانہیں ڈالوں گی۔ اس کے چٹان جیسے سینے پر سر رکھوں گی۔ پھر جھکی جھکی نظروں سے شرماتے ہوئے کہوں گی۔ میں ماں بننے والی ہوں۔

'اُوں ہوں نہ۔ ماں بننا میرے لیے خوشی کی بات ہے۔ مجھے برکی کو خوش خبری سُنانا ہے۔ میں کہوں گی تم باپ بننے والے ہو۔'

مرد کو خوش کرنے کے لیے یہی کہنا چاہیے۔ مگر اس میں تشنگی کا احساس ہو رہا تھا فقرہ نامکمل تھا۔ اس میں باپ کے لیے فخر تھا۔ ماں کا کوئی اہم حصّہ نہیں تھا۔ وہ تھوڑی دیر سوچتی رہی پھر خوش ہو کر بولی: "یوں کہوں گی بندر! میں تمہارے بچّے کی ماں بننے والی ہوں۔"

'اِس فقرے میں دونوں کی کوششوں کا ذکر ہے۔' وہ کھِل کر مُسکرائی۔ 'میں ایسا کہتے وقت لفظ "تمہارے" پر زور دوں گی۔ یوں عورت کی طرف سے سند ہو جاتی ہے کہ بچّہ تمہارا ہی ہے۔'

بعض اوقات مسرتوں کے ہجوم میں خوشخبری سُنانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کبھی الفاظ نہیں ملتے کبھی اندازِ بیان نہیں ملتا۔ سمجھ میں نہیں آتا اس خوشخبری کو اُس کی تمام خوشیوں سمیت کیسے سُنایا جائے۔ اُس کے سوچتے سوچتے لیڈی ڈاکٹر آ گئی۔ آتے ہی بولی۔

"چپ چاپ لیٹی رہو۔ تم کسی دن پاگل ہو جاؤ گی۔ کبھی تمہیں پاؤں بھاری لگتے ہیں کبھی سر بھاری لگتا ہے۔ مہینے میں دو چار دن آگے پیچھے ہو جائیں تو میرے پیچھے پڑ جاتی ہو۔ اچھی طرح چیک کراتی ہو پھر رپورٹ سُن کر مایوس ہو جاتی ہو۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ ماں بننے کی خواہش کو اپنے حواس پر طاری نہ کرو۔ خدانخواستہ دماغی مریضہ بن جاؤ گی۔"

"تم بولتی بہت ہو۔ ڈاکٹر کو مریضہ کے معائنے پر پوری توجہ دینا چاہیے۔"

وہ باتھ روم میں دستانہ اور ہاتھ دھونے کے لیے گئی پھر وہاں سے بولی: "میں ہمیشہ توجہ سے دیکھتی ہوں لیکن قدرت تم پر توجہ نہیں دے رہی ہے۔"

یہ سُنتے ہی نادرہ کے ہونٹوں کی مسکراہٹ مُرجھا گئی۔ آنکھوں میں آنسو آنا چاہتے تھے۔ وہ ضبط کر رہی تھی۔ سہیلی نے کہا: "میری بات مانو باقاعدہ میڈیکل چیک اپ کراؤ۔"

"نہیں! مجھے ڈر لگتا ہے۔ اگر میں بانجھ نکلی تو کیا ہوگا؟"

"کیا ہوگا؟"

"میں برکت سے کم تر ہو جاؤں گی۔ وہ باپ بن سکتا ہے۔ میں ماں نہیں بن سکتی۔ اس معاملے میں وہ برتر ہوگا جبکہ میں ہر معاملے میں اُس سے برتر رہتی ہوں۔"

"تمہارا یہ سوچنے کا انداز کسی دن تمہیں لے ڈوبے گا۔"

وہ رخصت ہو کر دروازے تک گئی پھر پلٹ کر بولی: "اب بھی وقت ہے سمجھ لو کہ مرد عورت سے برتر ہوتا ہے۔"

وہ چلی گئی۔ نادرہ تھوڑی دیر سوچتی رہی۔ اگر میں برکی سے علیحدگی اختیار کروں تو کسی دن ماں بننے کا چانس ہی ختم ہو جائے گا۔ میں پھر کبھی دوسری شادی کی حماقت نہیں کروں گی۔ نہ مجھے برکی جیسا محبت کرنے والا ملے گا اور نہ ہی میں کسی دوسرے کو دوسری شادی کے نام پر برداشت کروں گی۔ یہ بے حیائی ہے اور مجھ سے بے حیائی نہیں ہوگی۔

اس نے فون اٹھا کر رابطہ قائم کیا پھر کہا: "برکی! آ جاؤ۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"تم پھر کسی دن بڑے باپ کی بیٹی بن کر بڑی بڑی باتیں کرو گی۔"

"تم اس قدر مائنڈ کیوں کرتے ہو؟ کیا تم نے نہیں سُنا کہ دُودھ دینے والی گائے کی لات کھانی پڑتی ہے۔"

"مرد گائے کی لات کھا سکتا ہے عورت کی نہیں۔ اور سُن بات تم ایک پہلوان کو سمجھا رہی ہو۔ میں ایسی صورت میں گائے کو ذبح کر دوں گا اور عورت کی ٹانگیں توڑ کر وہیل چیئر پر بٹھا دوں گا۔"

"تم جیتے میں ہاری۔ پہلوان ٹانگیں توڑو مگر آ جاؤ۔"

اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ دونوں میں پھر دوستی ہو گئی۔ مگر وہ عارضی ہوتی تھی اور جھگڑے بھی زیادہ طوالت اختیار نہیں کرتے تھے۔ اس طرح دن، مہینے اور سال گزرتے گئے۔ شادی کو بیس برس گزر گئے پھر تیس برس گزر گئے۔ مگر اولاد نہ ہوئی۔ بڑھاپا جوانی کی دہلیز پر دستک دے رہا تھا۔ نادرہ یہ ماننے کو تیار نہیں تھی کہ جوانی ڈھل گئی ہے۔ ابھی ایک بچّہ بھی نہیں ہوا۔ جسم پر تخلیق کے کرب کا زلزلہ نہیں آیا۔ میں کہیں سے کھنڈر نہیں لگتی ہوں۔ یہ تو چند برسوں کی بات ہے جب میں دُلہن بن کر آئی تھی۔ اتنی جلدی تیس برس کیسے گزر سکتے ہیں۔ مجھ سے حساب میں غلطی ہو رہی ہے۔"

ایک دن برکت نے کہا: "اولاد کی تمنّا ہے تو کسی کا بچّہ گود لے لو۔"

"میں تمہارا بچہ چاہتی ہوں۔"

"اب یہ ممکن نہیں ہے۔ تم بوڑھی ہو چکی ہو۔"

یہ سنتے ہی وہ بھڑک گئی۔ "کیا میں تمہیں بوڑھی لگ رہی ہوں؟ ابھی ایک بچے کو جنم نہیں دیا ہے۔ مائیں بننے والی عورتیں بوڑھی ہوتی ہیں۔ میں تو سہاگ کی پہلی رات میں جیسی تھی ویسی ہی آج بھی ہوں۔ تم میرے ساتھ نہیں ہوتے ہو تو لوگ مجھے کنواری سمجھتے ہیں۔"

وہ ہنسنے لگا۔ وہ اور زیادہ بھڑک کر بولی۔ "تم میرا مذاق اڑاتے ہو۔ کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟"

"تم شوہر کے سامنے خود کو کنواری کہلانا چاہتی ہو تو اس سے بڑا مذاق اور کیا ہوگا؟"

"میں تم سے سند نہیں لے رہی ہوں۔ مجھ پر ہنسنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو۔ اپنی عمر چھپانا چاہو گے تب بھی نہیں چھپا سکو گے۔ تمہاری پوتی اور پوتے جوان ہو گئے ہیں۔ تم میلوں دور سے عینک کے بغیر بوڑھے نظر آتے ہو۔"

وہ کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ برکت نے پانی سے بھرا ہوا گلاس اٹھا کر اسے دکھایا۔ پھر اسے پانچ انگلیوں کے شکنجے میں رکھ کر دبایا تو وہ ایک چھناکے سے ٹوٹ گیا۔ اس نے فاتحانہ انداز میں کہا۔ "میں پہلوان ہوں اور پہلوان کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔ میں آج بھی جس لڑکی کو نظر بھر کے دیکھ لوں تو وہ کھنچی چلی آئے گی۔ لیکن کوئی لڑکا تمہیں گھاس نہیں ڈالے گا۔ تم پہلی نظر میں [illegible] لگتی ہو۔"

وہ بارود کی طرح پھٹ پڑی۔ کانچ کی پلیٹ اٹھا کر پھینک دی پھر کہا۔ "تم کیا تھے؟ ایک کانچ کی پلیٹ جسے پہلی ملاقات میں اٹھا کر پھینک دیتی تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔ میں نے تمہیں کھانے کی میز پر رکھ کر غلطی کی۔ میرا نمک کھاتے ہو اور میرا مذاق اڑاتے ہو۔"

"یو شٹ اپ۔ ذلیل عورت! میں اپنی محنت کی کمائی کھاتا ہوں اور اپنی کوٹھی میں رہتا ہوں۔"

"تمہارے پاس جو کچھ ہے، وہ سب میرا دیا ہوا ہے۔ میری رقم اور میری پلاننگ نے تمہیں زمین سے آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ تم اپنی اوقات بھول گئے ہو۔"

پہلوان سے برداشت نہ ہو سکا۔ اس نے ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ وہ کرسی سمیت الٹ کر پیچھے فرش پر گر پڑی۔ اس کے ساتھ ہی حلق پھاڑ کر چیخنے لگی۔ ہاتھ تگڑا پڑا تھا لیکن وہ پچھلے تیس برس سے اس تگڑے کو برداشت کرتی آ رہی تھی۔ اسے تکلیف چوٹ کی نہیں تھی اپنی بے عزتی کی تھی۔ اس کا نمک کھانے والے نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا جس نے باپ کی معزز بیٹی کو لوٹ دیا تھا۔ وہ غصے میں پاگل ہو گئی تھی۔ چیخیں مارتی جا رہی تھی اور چیزیں اٹھا اٹھا کر برکت کو نشانہ بنائی جا رہی تھی۔

شفیق الرحمٰن کی "دجلہ" سے، مقتدہ عمر... (ارادت ... کا انتخاب)

ایک خاتون کو بے خوابی کی شکایت تھی۔ معالج نے بتایا کہ رات کا کھانا اچھی طرح کھایا کرو۔ نیند ضرور آئے گی۔ ڈیڑھ مہینے کے بعد وہ پھر اس کے پاس گئی اور نیند کی کمی کی شکایت کی۔ اتفاق سے وہ مریضہ کو بھول چکا تھا۔ اس نے مشورہ دیا کہ رات کا کھانا بالکل ہلکا پھلکا ہونا چاہیے، پھر آپ مزے سے سوئیں گی۔ خاتون نے یاد دلایا کہ ڈیڑھ ماہ پہلے تو آپ نے بالکل الٹ بتایا تھا۔ اس پر معالج نے فوراً جواب دیا۔ "خاتون! آپ نہیں جانتیں کہ اس ڈیڑھ مہینے میں میڈیکل سائنس نے کتنی ترقی کی ہے۔"

کہتے ہی ملازم دوڑتے ہوئے آئے۔ برکت نے ڈانٹ کر کہا۔ "بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

وہ سب چلے گئے۔ اس نے کہا۔ "میں تیس برس سے تمہاری سن رہا ہوں اور آج تک یہ سوچ کر برداشت کرتا آ رہا ہوں کہ میری محبت تمہیں ایک دن صحیح معنوں میں شریکِ حیات بنا دے گی لیکن تم ایک مغرور اور بد دماغ ملکۂ عالیہ ہی بن کر رہنا چاہتی ہو۔ تمہاری فطرت اور کتے کی دم کبھی سیدھی نہیں ہوگی۔ اس لیے میں پورے ہوش و حواس میں رہ کر تمہیں طلاق دیتا ہوں۔"

"طلاق نہیں لوں گی۔ میں نے آج تک تم سے کچھ نہیں لیا ہے، ہمیشہ دیتی آئی ہوں۔ اس لیے طلاق بھی میں ہی دیتی ہوں۔ طلاق... طلاق... طلاق... میرا وکیل طلاق کے کاغذات لائے گا۔ دستخط کر دینا۔"

وہ غصے میں تنتناتی ہوئی اپنے بیڈ روم کی طرف چلی گئی۔ برکت وہاں سے چلا آیا۔ اس کے بعد ایک ہفتے کے اندر طلاق کی کارروائی بھی مکمل ہو گئی۔ وہ ہمیشہ کے لیے علیحدہ ہو گئے۔ پھر کبھی ایک چھت کے نیچے ان کی ملاقات نہیں ہوئی۔

اس کی پہلی بیوی بانو مر چکی تھی۔ دو بیٹے اور ایک بیٹی خوشحال زندگی گزار رہے تھے۔ ان کے بچے بھی جوان ہو گئے تھے۔ برکت کا جوان پوتا اپنے دادا کے نقشِ قدم پر چلتا ہوا پہلوانی سیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے بچوں کے لیے اور بچوں کے بچوں کے لیے بہت کچھ کیا تھا۔ ان سب کو الگ الگ کاروبار سے لگا چکا تھا۔ وہ اپنے باپ اور دادا سے ملنے والی بڑی بڑی رقومات کو صحیح طور پر استعمال کر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر برکت کو اطمینان ہوتا تھا۔ اس نے زندگی کے میدان میں بہت کچھ جیت لیا تھا۔ شکست نادرہ کے حصے میں آئی تھی۔

وہ طلاق کے چند دنوں بعد ہی پچھتانے لگی۔ یہ پچھتاوا اظہار کرتا تھا کہ وہ برکت سے کتنا پیار کرتی ہے۔ لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہو گئے تھے۔ وہ سوچتی تھی اور خود پر لعنت بھیجتی تھی۔ غصے اور غرور کو اپنے اندر سے نوچ پھینکنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ وہ پچھتاوے کے باوجود اپنی اصلاح نہ کر سکی اور اب تو کچھ کرنے کا وقت گزر چکا تھا۔

اس نے چھ ماہ تڑپ تڑپ کر گزارے۔ پہلوان نے اسے اپنا عادی بنا دیا تھا۔ وہ اس سے محبت کیے بغیر اور جھگڑا کیے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ اس نے ایک رات فون کیا۔ برکت نے اس کی آواز سن کر پوچھا: "کس رشتے سے فون کر رہی ہو؟"

"کیا ابھی تک غصے میں ہو؟"

"غصہ بھی کسی تعلق سے کیا جاتا ہے۔ تم سے نہ کوئی تعلق ہے نہ غصہ ہے۔"

"برکی! میں اکیلی ہوں۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"میرے پاس آجاؤ یا مجھے بلا لو۔ دو انسان کسی رشتے کے بغیر بھی ملاقات تو کر سکتے ہیں۔"

"ہم مختلف انسان ہیں۔ ہمارا مذہب مطلقہ بیوی سے ملنے کی اجازت نہیں دیتا۔"

"کوئی ایسی بات کرو جس سے ملنے کی صورت نکل آئے۔"

"کسی ایسی بات کی گنجائش نہیں رہی۔"

"تمہارے دل میں میرے لیے جگہ ہو گی تو گنجائش نکل آئے گی۔"

"آج بھی تمہارے لیے دل میں جگہ ہے لیکن جوانی میں تمہارا غصہ قابل برداشت تھا۔ بڑھاپے میں ناقابل برداشت ہو گئی ہو۔"

"دیکھو تم پھر مجھے بڑھاپے کا احساس دلا رہے ہو۔ یہ سراسر زیادتی ہے۔ ابھی کل ہی فیشن میگزین والا ٹائٹل پر میری تصویر شائع کرنے لے گیا ہے۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ میں جوان ہوں۔"

"تصویر میں تاج محل کا بیرونی حسن نظر آتا ہے۔ اس کے اندر کی پرانی قبر نظر نہیں آتی۔ یہ حقیقت تو شاہجہاں جانتا ہے۔"

"تم پھر میری انسلٹ کر رہے ہو۔ مجھے سوری کہو۔"

"میں نے کوئی غلطی نہیں کی ہے۔"

"تم اپنے بڑھاپے کا غصہ مجھ پر اتار رہے ہو۔ کیا میری محبت کی خاطر سوری نہیں کہہ سکتے۔ دوستی کی کوئی صورت نہیں نکال سکتے؟"

"ایک ہی صورت ہے۔ حلالہ کرا لو۔"

"کیسی بے شرمی کی باتیں کر رہے ہو۔ میں کسی دوسرے سے شادی کروں۔ وہ طلاق دے تو تمہارے پاس آؤں۔ یہ کبھی نہیں ہو گا۔

اب میری تنہائی میں کوئی دوسرا نہیں آئے گا۔"

"تو پھر دوری برداشت کرتی رہو اور یہ تسلیم کرنے کا حوصلہ پیدا کرتی رہو کہ اس عمر میں کوئی تم سے شادی نہیں کرے گا۔"

"یو شٹ اپ۔ تم مجھے بار بار عمر کا طعنہ دے رہے ہو۔ میں تمہارے چیلنج کا جواب دے سکتی ہوں۔ ایک سے ایک خوبرو جوان کو بوائے فرینڈ بنا سکتی ہوں۔ مگر تمہیں کوئی لڑکی گھاس نہیں ڈالے گی۔"

"تم میری فکر نہ کرو۔ تمہارے طبقے میں سولہ برس سے لے کر ساٹھ برس تک کی دوشیزائیں بوائے فرینڈ بناتی رہتی ہیں۔ تم پر بھی کوئی انگلی نہیں اٹھائے گا۔ ایک نہیں ایک درجن بوائے فرینڈ بنا لو۔"

اس نے ریسیور رکھ کر رابطہ ختم کر دیا۔ اس کے بعد دونوں میں ٹھن گئی۔ دونوں یہ ثابت کرنے پر تل گئے کہ ابھی تو ہم جوان ہیں اور حسین لڑکیاں اور خوبرو لڑکے ان کی راہ میں دل بچھانے کے منتظر ہیں۔ انہی کوششوں میں دو برس گزر گئے۔ اس عرصے میں جو بھی آئی اس نے انکل کہا اور جو بھی آیا اس نے آنٹی یا باجی ہی سمجھا۔ ان کا خیال تھا کہ آج کی نوجوان نسل پختہ عمر کو بڑھاپا سمجھتی ہے اور پندرہ بیس برس کی کچی عمر کو جوانی سمجھ کر جوانی سے پہلے ٹھوکریں کھاتی ہے۔

دونوں نے جوان نسل کو محبت اور رومانس کا درس دینے کے لیے اپنی دولت کا سہارا لیا۔ اس طرح وہ غریب لڑکی اور لڑکے کے معاشی مسائل بھی حل کر سکتے تھے۔ نیکی بھی کما سکتے تھے اور اپنے جوان ہونے کا ثبوت بھی دے سکتے تھے۔

○

وہ باتھنگ ٹب کے اندر صابن کے جھاگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ قریب ہی گردش کرتی ہوئی ٹرالی پر حسین سورنی گھوم رہی تھی اور وہ اتنی دیر تک سوچتے سوچتے بہت ساری وسکی پی گیا تھا۔ اچھا خاصا نشہ ہو رہا تھا۔ اس نے شاور کے نیچے غسل کیا، تولیے سے بدن پونچھ کر شب خوابی کا لباس پہنا پھر لڑکھڑاتا ہوا بیڈروم میں آیا۔ اس کی نظر ٹیلی فون کے پاس رکھے ہوئے ریکارڈر پر گئی جس میں نادرہ کی فون کال ریکارڈ ہوئی تھی۔ اس نے باتھ روم میں جانے سے پہلے نادرہ کی آدھی گفتگو سنی تھی پھر اسے آف کر دیا تھا۔

وہ ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے ریکارڈر کے پاس آیا پھر پلے کرنے والے بٹن کو دبا دیا۔ نادرہ کی آواز ابھرنے لگی۔ وہ کہہ رہی تھی "اب بھی وقت ہے۔ اپنے زہریلے الفاظ واپس لو۔ مجھے سوری کہو۔ تم ابھی جانتے ہو، میں دولت کی چھاؤں میں اپنے حسن و شباب کی تعریفیں سن سن کر خوش ہوتی آئی ہوں۔ بڑھاپے کا طعنہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ مجھے سوری کہو، ایک بار اپنی غلطی تسلیم کر لو۔ نہیں کرو گے تو شہزاد سے نکاح پڑھوا لوں گی۔

"ارے بے وفا! میں دولت مند ہوں تو کیا ہوا؟ کیا عورت نہیں ہوں۔ عورت امیر ہو یا غریب اُس میں وفا اور شرم ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حالات اور ماحول اسے بے شرم بنا دیتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے میں ابھی تک شرم والی ہوں۔ آج بھی کسی دوسرے کو اپنا ہاتھ چھونے نہیں دیتی۔ شادی کے نام پر کسی غیر مرد کو برداشت نہیں کر سکتی۔ تم نے مجھے زندگی کے کس نئے موڑ پر لا کر چھوڑ دیا ہے۔ بتاؤ میں تمہارے پاس کیسے آؤں؟ کس رشتے سے آؤں؟"

اس کی آواز آنسوؤں میں ڈھل گئی۔ وہ رو رہی تھی۔ برکت نے ریکارڈ کو آف کر دیا پھر بڑبڑاتے ہوئے کہا "مگر مچھ کے آنسو۔ میں اس عورت کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ یہ ایک طرف رو رو کر مجھ سے شدید محبت کا اظہار کرتی ہے اور دوسری طرف ایک نوجوان کو بوائے فرینڈ بنا کر چیلنج کر رہی ہے کہ میں کسی جوان حسینہ کو گرل فرینڈ نہیں بنا سکوں گا۔ بزنس مین کی مکار بیٹی دُہری چالیں خوب چلتی ہے۔"

اُس نے ریسیور اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ مگر نشے میں ہاتھ دوسری طرف پڑ گیا۔ دوسری بار اُس نے دونوں ہاتھوں سے لپک کر اُسے اٹھایا جیسے ریسیور بھاگنے والا ہو۔ پھر اُس نے نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہونے پر کسی مرد کی آواز سُنائی دی۔ اُس نے کہا "اچھا جوان! نادرہ تمہیں اپنے بیڈ روم میں لے آئی ہے۔ میرے سامنے پارسائی جتا رہی تھی کہ شادی کے نام پر بھی کسی دوسرے مرد کو برداشت نہیں کرے گی۔"

دوسری طرف سے ڈانٹ کر کہا گیا "ابے او شرابی! میں تھانے کا انچارج ہوں اور تھانے سے بول رہا ہوں۔ اپنا پتا بتا۔ میں تجھے ابھی اندر کر دوں گا۔"

برکت نے کریڈل پر ہاتھ رکھا۔ رابطہ ختم ہو گیا۔ دوسری بار صحیح نمبر ڈائل ہوا۔ نادرہ کی آواز سُنائی دی "ہیلو، کون؟"

"میں بول رہا ہوں۔ یہ مت سمجھنا نشے میں ہوں۔ میں تمہاری مکاری خوب سمجھتا ہوں۔ ایک جوان کو کافی ہاؤس میں بُلا کر مجھے چیلنج کرتی ہو۔ اگر ایک باپ کی بیٹی ہو تو پرسوں تک زندہ رہنا کافی ہاؤس میں آ کر دیکھنا میرے ساتھ ایک ایسی حسین و جمیل دوشیزہ ہو گی جسے دیکھنے کے بعد تم آئینے میں اپنے بڑھاپے کو نہیں دیکھ سکو گی۔"

وہ بولتا جا رہا تھا، مدہوشی میں میز پر جُھکتا جا رہا تھا۔ اس کی آواز ڈوبتی جا رہی تھی پھر وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے میز پر اوندھا ہو گیا۔ ریسیور چہرے کے پاس پڑا رہ گیا۔ زبان چُپ ہو گئی تھی۔ نادرہ پکار رہی تھی۔ "ہیلو، ہیلو، برکت! ہیلو....."

وہ دو چار بار آوازیں دے کر چُپ ہو گئی۔ رابطہ ختم نہیں ہوا تھا اس لیے یقین تھا وہ کچھ بولے گا۔ لیکن ذرا دیر بعد ہی ریسیور سے خراٹوں کی آواز سُنائی دی۔ ایک طویل عرصے بعد وہ پہلوانی خراٹے بے چینی کا باعث بن گئے۔ اس کی آنکھیں خواب ناک ہو گئیں وہ ریسیور کو کبھی سینے سے لگانے اور کبھی ہونٹوں سے چُومنے لگی وہ خراٹے اُس کے ہونٹوں پر سُلگ رہے تھے، سانسوں میں اُتر رہے تھے اور دل میں بج رہے تھے۔ پیار ایسا بھی ہوتا ہے، وُور رہ کر بھی پکارتا رہتا ہے۔

○

وہ تینوں بہنیں نئی کوٹھی میں آ گئیں۔ اُن کے پاس سامان زیادہ نہیں تھا اور جو بھی تھا وہ کوٹھی کے شایانِ شان نہیں تھا۔ وہ ایک کمرے میں مختصر سے سامان کے ساتھ یوں بیٹھی ہوئی تھیں جیسے ریلوے ویٹنگ روم میں ٹرین کا انتظار کر رہی ہوں۔ برکت نے آ کر انہیں دیکھا پھر کہا "تم تینوں سوچ میں بیٹھی ہو کہ نئی زندگی کی ابتدا کہاں سے کریں اور کیسے کریں؟"

بڑی بہن حسنہ نے کہا "جی ہاں زندگی کے نئے راستے پر کس طرح چلنا چاہیے اور کتنی دُور تک جانا چاہیے، یہ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"میرے ساتھ آؤ۔ میں چلنا سکھاؤں گا۔"

وہ تینوں کار میں آئیں۔ نیلما کو اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا!

پڑا۔ اس نے ایک دکان میں پہنچ کر کوٹھی کے ہر کمرے میں ٹی وی اور
پھل بچھانے اور پردے لگانے کا آرڈر دیا۔ جس نے اس دکان کے ایک کاریگر
کو کوٹھی میں لے گئی۔ ایک شوروم سے تمام ضروری فرنیچر خریدا
گیا۔ دوسری بہن سائڈ فرنیچر کے ساتھ چلی گئی۔ نیلما اس کے پاس
تنہا رہ گئی۔ وہ مسکرا کر بولا: "مجھے خوشی ہے کہ تم نے انکار نہیں کیا۔ مجھ
سے اچھی ہو۔ چلو لباس کی خریداری سے شاپنگ شروع کرو۔"

وہ اُسے بڑی بڑی دکانوں میں لے گیا۔ وہ اس سے کہتا رہا: "وہ
کیا پسند کرتی ہے؟ کیا خریدنا چاہتی ہے؟ قیمت کی پرواہ کیے بغیر لیتی
چلی جائے۔" لیکن وہ چپ چپ سی تھی۔ دس بار پوچھنے پر ایک بار جواب
دیتی تھی۔ برکت اُسے اعلیٰ پیمانے سے کپڑے، سینڈل، ہینڈ بیگ اور میک اپ
کا سامان خرید کر دیتا رہا۔ اس دوران وہ بہنوں کے لیے کچھ چیزیں پسند
کر آتی تھی اور وہ چیزیں خریدنے کے لیے کہتی تھی۔ اس نے کہا: "مولا کا
شکر ہے۔ بہنوں کے لیے ہی سہی کچھ بولا تو سہی ہو۔"

"میں بہت دیر سے سوچ رہی ہوں۔ مجھے کچھ کہنا چاہیے۔ اگر
آپ ٹیپ ریکارڈر خرید دیں اور اس میں سے آواز سنائے تو آپ کی رقم
ڈوب جائے گی یا آپ ریکارڈر واپس کر دیں گے۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا: "تم [illegible] کے بولتی ہو۔ مگر شرم میں
بولتی ہو۔ میں واپس نہیں کروں گا۔"

"سوال پیدا ہوتا ہے [illegible] کس موضوع پر بولوں؟ میں نے ابھی
آنکھیں کھولی ہیں۔ [illegible] میں نہیں جانتی آثار قدیمہ
سے تعلق رکھنے والے گفتگو کے لیے کون سا موضوع پسند کرتے ہیں۔"

برکت کو ذرا غصہ آیا۔ وہ اُسے آثار قدیمہ کہہ رہی تھی۔ مگر اس
نے غصے کو اندر ہی اندر کچل دیا۔ وہ گھر والی نہیں تھی۔ غصہ دکھانے سے
بات بگڑ جاتی۔ وہ دونوں ایک دکان سے نکل کر کار کے پاس آ گئے۔
کسی نے کار کے پیچھے بھاری بھرکم موٹر سائیکل کھڑی کر دی تھی۔ آس پاس
بھی گاڑیاں تھیں۔ کار کو وہاں سے نکالنے کی جگہ نہیں تھی۔ برکت نے
بار بار اپنی کار کا ہارن بجایا تاکہ غلط جگہ پارک کرنے والا وہاں آ کر اپنی
موٹر سائیکل ہٹا لے مگر کوئی نہیں آیا۔

اس نے نیلما سے کہا: "آثار قدیمہ سے تعلق رکھنے والی عمارتیں
کھنڈر کہلاتی ہیں۔ وہ ایسی شکستہ اور کمزور ہوتی ہیں کہ ایک نئی اینٹ کا
بوجھ برداشت نہیں کر پاتیں۔ میں ایک اینٹ تو کیا پوری نئی نسل کو
اٹھا کر اِدھر سے اُدھر پھینک سکتا ہوں۔"

وہ پہلوانی انداز میں چلتا ہوا موٹر سائیکل کے پاس آیا۔ پھر اس
نے نیلما کے دیکھتے ہی دیکھتے اس بھاری بھرکم گاڑی کو دونوں ہاتھوں
میں اٹھا لیا۔ یہ ویٹ لفٹنگ کا کمال تھا۔ راستہ چلنے والے ٹھٹک گئے۔
قریب سے گزرنے والی گاڑیاں رک گئیں۔ اس کے سر کے بال سفید تھے۔
مونچھیں سفید تھیں۔ دور سے عمر ڈھلتی تھی اور دکھنے سے اس کی طاقت دوری

بڑھاپے کو جھٹلا رہی تھی۔ وہ اطمینان سے گاڑی اٹھائے ایک طرف گیا
پھر ذرا فاصلے پر آہستگی سے اسے نیچے رکھ دیا۔

کتنے ہی لوگ تالیاں بجانے لگے۔ وہ فاتحانہ انداز میں چلتا ہوا
نیلما کے پاس آیا۔ اس کے لیے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ چپ چاپ
بیٹھ گئی۔ کچھ حیرت زدہ سی ہو کر سوچنے لگی: "یہ آدمی ہے کیا؟ کیا اُسے
بڑھاپا نہیں آتا؟"

اس نے کار اسٹارٹ کر کے وہاں سے نکالی۔ پھر ڈرائیو کرتے
ہوئے بولا: "اب تو خاموش نہ رہو۔"

نیلما نے بے اختیار پوچھا: "آپ کی عمر کیا ہو گی؟"

"ساٹھ برس۔"

وہ ذرا حیرت سے مسکرائی پھر بولی: "آپ مذاق کر رہے ہیں۔"

"جوانی کا زمانہ دکھا کر بولو تو بڑھاپے کا یقین نہیں ہوتا۔" اس نے
کہا: "آنکھیں جو دیکھتی ہیں وہی سچ ہوتا ہے۔ تمہاری آنکھیں میری تندرستی
کو دیکھیں گی تو عمر کم ہو گی۔ سفید بالوں کو دیکھیں گی تو عمر زیادہ ہو گی۔ سمندر
ہزاروں لاکھوں برس کا بوڑھا ہے مگر اس کی لہریں آج بھی جوانی میں ساحلی
چٹانوں کو ٹکریں مار کر توڑ دیتی ہیں۔ جس طرح موتی سیپ میں بند ہوتا
ہے اسی طرح تندرستی اور لہروں کی جوانی بوڑھے سمندر کے اندر چھپی ہوتی ہے۔
تمہیں رفتہ رفتہ معلوم ہو گا کہ میں اور سمندر کبھی اندر سے بوڑھے نہیں ہوتے۔"

اس نے ایک جیولری پلازا کے سامنے گاڑی روک دی۔ نیلما کے
ساتھ گاڑی سے نکل کر دکان کے اندر آیا۔ ایک معمر دکاندار نے مسکرا کر
خوش آمدید کہا۔ وہ بولا: "یہ نیلما ہے، میری کزن۔ قدرت نے اسے بڑی
فراخ دلی سے حسن دیا ہے اور قدرت نے تمہارے ہاتھوں میں شراب
کو دو آتشہ بنانے کا ہنر دیا ہے۔ اسے نکھارنے اور سنوارنے میں جتنی زیادہ
محنت کر سکتے ہو کرو۔ معاوضے کی فکر نہ کرو۔ جو تمہاری زبان سے نکلے گا وہی
دوں گا۔ یہ ایڈوانس رکھو۔"

اس نے پچاس ہزار روپے دے کر کہا: "میں ایک گھنٹے
بعد آؤں گا۔"

"اگر آپ اسے مکمل دیکھنا چاہتے ہیں تو تین چار گھنٹے بعد آئیں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں اطمینان سے آؤں گا۔"

اس نے نیلما کے شانے پر ہاتھ رکھ کر خدا حافظ کہنا چاہا تو وہ جھک
سے ہٹ کر ایک طرف ہو گئی۔ اس نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا:
"کوئی بات نہیں۔ میں ابھی آؤں گا۔"

وہ دکان سے باہر آیا۔ پھر کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔
سوچنے لگا: "سہمی ہوئی ہرنی ہے۔ آہستہ آہستہ مانوس ہو گی۔"

وہ کار اسٹارٹ کرنا چاہتا تھا۔ اسی وقت نادرہ دکھائی دی۔
وہ سامنے والے فٹ پاتھ پر شہزاد کے ساتھ جا رہی تھی۔ اس نے جیم
سا میک اپ کیا تھا۔ نہایت قیمتی لباس پہنے ہوئے تھی۔ اس کے

ریاست میں لاکھ دو لاکھ کے ہیرے بھی جڑے ہوں گے مگر اس سے کیا ہوتا ہے؟ کھنڈر کو رنگ برنگے قمقموں سے سجایا جائے تب بھی وہ شادی محل تو نہیں کہلاتا۔

برکت نے ناگواری سے کہا "تم لوگوں کی ہیجانی آنکھیں نہیں دیکھتی ہیں؟ اُس جوان کے ساتھ ایسی لگ رہی ہے جیسے ماں اپنے بچے کی انگلی پکڑ کر شاپنگ کے لیے جا رہی ہو۔"

ایسا سوچتے وقت وہ خود کو بھول رہا تھا۔ نیلما کو شاپنگ کراتے وقت کتنے ہی دکانداروں نے اُسے انکل کہا تھا اور نیلما کو بے بی کہتے رہے تھے۔ اس حساب سے وہ دونوں کو باپ بیٹی سمجھ رہے ہوں گے۔ وہ انکل کہلانے پر بُرا مانتا تھا مگر ہر ایک سے جھگڑا کر کے اپنی شہ زوری کے حوالے سے جوانی کا ثبوت پیش نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنے طور پر مطمئن تھا کہ جوانی اندر سے قائم ہے اور شاید دائم بھی ہوگی۔

وہ تین گھنٹے تک کاروباری معاملات میں مصروف رہا اور نادرہ کے ساتھ نظر آنے والے جوان کے متعلق تلخی سے سوچتا رہا، یہ بھی تسلیم کرتا رہا کہ اس بزنس مین باپ کی بیٹی نے زبردست نوجوان کا انتخاب کیا ہے۔ شہزاد ہر اعتبار سے خوبرو اور گبرو جوان کہلانے کا مستحق تھا اگر نیلما، نادرہ کے انتخاب پر بھاری نہ پڑی تو بڑی سبکی ہوگی۔ وہ یہی سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔ نیلما کو جلد سے جلد دیکھنا چاہتا تھا کہ اُس کا حسن بیوٹی پارلر میں دو دھاری تلوار بن جائے گا یا نہیں؟

وہ بیوٹی پارلر کے ویٹنگ روم میں پہنچا۔ میڈم نے کہا "آپ تشریف رکھیں۔ ابھی اُسے تیار کیا جا رہا ہے۔"

اس نے کہا "چار گھنٹے گزرنے والے ہیں، وہ ابھی تک تیار نہیں ہوئی؟"

"مسٹر! آپ نے فرمایا تھا، زیادہ وقت اور زیادہ توجہ کے ساتھ اُسے جنت سے زمین پر اُتارا جائے۔"

وہ خوش ہو کر بولا "ہاں ہاں ٹھیک ہے میں نے یہی کہا تھا آپ جائیں، توجہ دیں۔ میں یہاں آرام سے بیٹھا رہوں گا۔"

میڈم ویٹنگ روم سے نکل کر نیلما کے پاس آئی۔ وہ آدم قد آئینے کے سامنے کھڑی حیرانی سے اپنے حسن و جمال کو دیکھ رہی تھی۔ اُسے یوں لگ رہا تھا کوئی دوسری نیلما سامنے کھڑی ہے جو پیدائش کے وقت سے اُس کے اندر چھپی ہوئی تھی۔ اُس نے کہا "میڈم! مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ یہ میں ہوں۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میرے اندر اتنا حسن بھرا پڑا ہے۔"

میڈم نے کہا "حسن ہر انسان کے اندر چھپا ہوتا ہے۔ کوئی علم کے ذریعے حسن کو کرید کر عالم بن جاتا ہے۔ کوئی اپنی فن سے حسن کو اجاگر کر کے ہنرمند کہلاتا ہے اور کوئی دولت کے ذریعے کسی غریب نیلما کے.... اندر سے حسن کو دریافت کر لیتا ہے۔ حسن باہر سے دیکھنے کی چیز ہے لیکن یہ ہمیشہ اندر ہوتا ہے جو اسے باہر لے آتا ہے، وہی حسین کہلاتا ہے۔"

"کیا ابھی اور محنت کریں گی؟"

"اتنی ہی کافی ہے مسٹر برکت انتظار کر رہے ہیں۔ میں چاہتی ہوں تم ابھی نہ جاؤ۔ ذرا انتظار کرنے دو۔ میری بات سمجھ رہی ہو نا؟"

وہ سمجھ رہی تھی لیکن انتظار محبوب کو کرایا جاتا ہے تاکہ اس کے دل میں دیدار کی آرزو شدید ہوتی رہے۔ برکت جیسے خریدار کے دل میں وہ ایسی آرزو پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی جب سے آئینے کے سامنے نکھر رہی تھی اور سنور رہی تھی تب سے ناصر کے سامنے جانے کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک خیال تھا کہ وہ اس نئے روپ میں اُسے دیکھ کر حیران رہ جائے گا اور دیوانہ وار اُسے دیکھتا رہے گا، کچھ بولنا بھول جائے گا پھر خیال آتا تھا، پرائی دولت سے تراشے ہوئے حسن پر برہم ہوگا۔ وہ پچھلی رات اُس سے ملنے گئی تھی اُسے اپنا دکھڑا سُنایا تھا اور بتایا تھا کہ ایک دولت مند اُسے خرید رہا ہے۔ وہ کبھی بکنے کے لیے تیار نہ ہوتی لیکن اپنی زندگی داؤ پر لگا کر دو بڑی بہنوں کو دھوم دھام سے سُہاگن بنا سکتی ہے۔

ناصر نے بے بسی سے کہا "میرے والدین تمہیں بہو بنالیں گے

تصویروں کا البم

جوش صاحب کے ایک دوست اپنے یہاں تصویروں کی البم دکھا رہے تھے۔ انہوں نے ایک تصویر دکھا کر پوچھا "بتائیے یہ کس کی تصویر ہے"

جوش صاحب نے فرمایا "کوئی بیوقوف سا شخص معلوم ہوتا ہے۔"

انہوں نے گردن جھکالی، جوش صاحب پھر کھٹکے اور پوچھنے لگے۔

"آخر یہ کس کی تصویر ہے؟"

انہوں نے آہستہ سے جواب دیا "میرے والد کی۔"

کثرت سے جھوٹ بولنے والی ایک بیوی کسی بات پر ناراض ہو کر اپنے شوہر سے کہنے لگی "میں تمہیں چھوڑ کر چلی جاؤں گی اور پھر کبھی واپس نہیں آؤں گی۔"

پھر اُس نے کچھ دیر سوچا اور بولی "زیادہ خوش فہمی میں نہ رہنا۔ تمہیں معلوم ہے میں کس قدر جھوٹ بولتی ہوں۔"

جہیز کے بغیر تمھیں قبول کر لیں گے لیکن تمھاری بہنوں کے لیے کچھ نہیں کر سکیں گے۔ ویسے بُرا نہ ماننا تمھاری بہنیں خود غرض ہیں۔ تمھیں اپنے مفادات کے لیے قربان کر رہی ہیں۔"

"ایسا نہ کہو۔ محسنہ آپا نے ماں بن کر میری پرورش کی ہے۔ وہ تیس برس کی ہو گئی ہیں۔ انھیں دیکھتی ہوں تو جان دے کر انھیں سہاگن بنانے کو جی چاہتا ہے۔ جان دینا کچھ مشکل نہیں ہوتا لیکن دولت مند جو چاہتا ہے اُسے ضمیر نہیں مانتا۔ میں تمھارے لیے ہوں، صرف تمھارے لیے۔ مگر ان حالات میں کیا کروں؟"

ناصر نے کہا۔ "اس بڈھے کو دو دن تک کسی طرح ٹالتی رہو۔ خود کو بچائے رکھنے کی کوشش کرو۔ امتحان کے دو پرچے رہ گئے ہیں۔ اس کے بعد میں اُس خریدار سے نمٹ لوں گا۔ تم اپنی بہنوں کے لیے ضمیر کے خلاف نہ جاؤ۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اُس بڈھے کا نام اور پتا بتاؤ۔"

"آپا نے یا میڈم نے اُس کا نام لیا تھا میں نے دھیان نہیں دیا۔ میں کل معلوم کر کے آؤں گی۔"

آج نیلما نے معلوم کیا تھا کہ اُس کا نام بابو برکت علی ہے۔ بلڈر بھی ہے اور پلازا بلڈر بھی۔ کئی کاریں چور دروازوں سے امپورٹ کرتا ہے۔ ایک فائیو اسٹار ہوٹل کا مالک ہے اور بڑے بڑے منسٹروں تک اس کی پہنچ ہے۔ نیلما نے گھبرا کر سوچا۔ "یہ بوڑھا خطرناک ہے۔ ناصر کو اس سے دُور رکھنا چاہیے۔ ورنہ یہ میرے چاہنے والے کو اُلٹے سیدھے کیس میں پھنسوا دے گا۔"

وہ خیالات سے چونک گئی۔ بیوٹی پارلر کے آدم قد آئینے میں برکت نظر آ رہا تھا۔ اُس کے پیچھے کھڑا ہوا یوں آنکھیں پھاڑ رہا تھا جیسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔ میڈم سے کہہ رہا تھا۔ "آپ نے کمال کر دیا۔ یہ تو ایسا لگتا ہے جیسے میرے لیے جنت اُتاری گئی ہے۔ جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ کاش میں پہلوان نہ ہوتا، شاعر ہوتا۔"

اُس نے میڈم کو دو ہزار روپے دیے۔ پھر نیلما کے ساتھ باہر آیا۔ کار میں بیٹھتے ہوئے سوچنے لگا۔ "اچھا ہوا میں شاعر نہ ہوا۔ شاعر کے حالات اُسے جوانی میں بھی جوان نہیں رہنے دیتے۔ جب کہ میں بڑھاپے میں بھی شعر نہ سہی مگر شعر کہنے سے بہتر ہے، آدمی شیر بنا رہے۔"

نیلما نے پوچھا۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"مجھے اپنی خبر نہیں ہے۔ تمھیں دیکھ رہا ہوں اور خود کو بھول رہا ہوں۔ تم بتاؤ کہاں چلنا چاہتی ہو؟"

"میں بہت تھک گئی ہوں۔ گھر میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے، ابھی چار بج رہے ہیں۔ سات بجے تک آرام کرو۔ پھر میں آؤں گا اور تمھیں ڈنر کے لیے لے جاؤں گا۔"

"اگر میں آج رات کہیں نہ جاؤں تو کیا حرج ہے؟"

"تم خود سوچو۔ آج میں نے تقریباً پچاس ہزار کے قالین، پردے اور فرنیچر منگوائے ہیں، پچیس ہزار سے زیادہ کی شاپنگ کرائی ہے۔ تمھارے حُسن کو چار چاند لگائے ہیں۔ تمھیں ساتھ لے کر ہوٹلوں اور کلبوں میں نہیں جاؤں گا تو اتنی محنت اور دوڑ دھوپ کا مجھے صلہ کیا ملے گا؟"

"آپ درست کہتے ہیں۔ میں آپ کے حکم سے انکار نہیں کروں گی۔"

"یہ حکم والی بات نہ کرو۔ میں آقا نہیں ہوں، تم لونڈی نہیں ہو۔ میں تمھیں محبت سے جیتنا چاہتا ہوں۔"

"آپ وعدہ کریں۔ کچھ روز ہمارے درمیان فاصلہ رہے گا۔"

"کتنا فاصلہ؟"

"جتنا اب ہے۔"

اُس نے ڈرائیو کرتے ہوئے پاس بیٹھی ہوئی حسن و شباب کی نوخیز مورت کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "ابھی ایک بالشت کا فاصلہ ہے۔ یہ مجھے منظور ہے۔"

وہ اس عمر میں پکا بزنس مین بن چکا تھا۔ وہ کل سے اب تک رقم پھینکتا آیا تھا۔ آئندہ نیلما کا کوئی رشتے دار یا ہمدرد اعتراض کرنے آتا تو اس لڑکی کو نجات دلانے کے لیے اتنی بڑی رقم لوٹا نہیں کر سکتا تھا۔ سودا ایسا تھا، ایڈوانس کی رقم اتنی بڑی تھی کہ نیلما ہمیشہ مجبور ہو کر رہ جاتی۔ یہ بات وہ بھی سمجھ رہی تھی۔ ناصر اس کی خاطر جان دے سکتا تھا، اتنی رقم کا بندوبست نہیں کر سکتا تھا۔

○

شہزاد نے قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا۔ کافی ہاؤس کی اُس میز پر نادرہ کے سامنے بیٹھا دھیمی آواز میں باتیں کر رہا تھا۔ وہ کن انکھیوں سے آس پاس دیکھ رہی تھی اور خوش ہو رہی تھی۔ دوسری میزوں کے اطراف بیٹھے ہوئے دو ایک جوڑے اپنے رومانس کے دوران شہزاد کو دیکھتے جاتے تھے۔ دیکھنے کا اپنا اپنا انداز ہوتا ہے۔ کوئی لڑکی شہزاد کی خوبروئی کو بے اختیار دیکھنے لگتی تھی۔ کوئی نادرہ کی امارت کا اندازہ کرتا تھا۔ ایک شخص اپنی میز پر اپنی محبوبہ کی طرف جھک کر کہہ رہا تھا۔ "یاد ہے، یہ نوجوان پرسوں اسی وقت کافی ہاؤس میں آیا تھا تو لنڈے کا لباس پہنے ہوئے تھا۔"

"ہاں ابھی میں یہی سوچ رہی تھی کیا یہ راتوں رات امیر بن گیا ہے؟"

"آج کل کے بے روزگار نوجوان اگر خوش قسمت ہوں تو ان راہوں پر روزگار سے لگ جاتے ہیں۔ میں یقین سے کہتا ہوں اُس مالدار عورت نے اُسے خوابوں کا شہزادہ بنا لیا ہے۔"

دوسری میز پر ایک عورت نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "میرا خیال ہے یہ نوجوان تاریخ کا اسٹوڈنٹ ہے۔ اس حالدہ عورت کو یوں دیکھ رہا ہے جیسے پانی پت کے میدان میں گم ہو کر آگیا ہو۔"

اسی وقت برکت نیلما کے ساتھ کافی ہاؤس میں داخل ہوا۔ نادرہ نے اُدھر دیکھا تو اُدھر کی سانس اُوپر رہ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنی حسین وجمیل لڑکی برکت کے ہاتھ لگ جائے گی۔ شہزاد کی نظریں نیلما سے ہٹنا نہیں چاہتی تھیں لیکن روزگار کا معاملہ تھا۔ دال روٹی کا سوال تھا۔ وہ اُدھر سے مُنہ پھیر کر باسی ڈبل روٹی کو دیکھنے لگا تھا۔

نادرہ نے ناگواری سے کہا۔ "اس کی بیٹی لگتی ہے۔"

اب وہ بیٹی تھی یا گرل فرینڈ، برکت تو حملہ کرنے آیا تھا۔ وہ اس کے دائیں طرف والی میز پر آ کر نیلما کو ایسی جگہ بٹھا رہا تھا جہاں سے شہزاد کا مسلسل سامنا ہوتا رہتا۔ وہ جوان نادرہ سے گفتگو کرتا مگر نظر نیلما پر بھی پڑتی رہتی۔

کافی ہاؤس کے اندر بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ جو لوگ دوسروں کے معاملات میں دلچسپی نہیں لیتے تھے، وہ بھی رہ رہ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگتے تھے کیوں کہ وہ مجبور تھے۔ ایک معمر خاتون نوجوان فرینڈ کے ساتھ تھی اور ایک بوڑھا شخص انتہائی کم سن لڑکی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں ماں بیٹے کے ساتھ اور باپ بیٹی کے ساتھ نہیں آتا تھا۔ اس لیے ان کے تعلقات سوالیہ نشان نہیں تھے۔ سوال یہ تھا کہ معمر خاتون کی میز پر روبرو جوان تھا اور دوسری میز پر (ذرا فاصلے ہی سہی) بوڑھا بھی روبرو تھا۔ کیا وہ خاتون اس جوان اور بوڑھے کا موازنہ کر رہی تھی؟

دوسری طرف نوجوان کے بالمقابل معمر خاتون تھی اور دوسری میز پر (ذرا فاصلے پر سہی) نوجوان حسین دوشیزہ تھی۔ سوال یہ تھا کہ وہ جوان اس خاتون پر اکتفا کرے گا یا دوشیزہ کی طرف پھسل جائے گا؟

برکت کا حملہ کامیاب ہو رہا تھا۔ شہزاد نادرہ سے باتیں کرتے کرتے بے اختیار نیلما کو دیکھ لیتا تھا حالانکہ شعوری طور پر دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ قدرتی تقاضوں کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ جوانی جوانی کو کھینچ رہی تھی۔ بڑھاپا جوانی کو لگام نہیں دے سکتا۔ یہ موٹی بات سب سمجھتے ہیں۔ اس وقت وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

نادرہ نے دانت پیستے ہوئے آہستگی سے کہا۔ "شہزاد! میں تمھاری نظریں دیکھ رہی ہوں۔ کیا تم یہاں میری انسلٹ کرنے آئے ہو؟"

"اوہ نو! خدا جانتا ہے، تم میرے لیے سب سے زیادہ اہم ہو۔ میرے خاندان سے زیادہ، میری جان سے زیادہ اہم ہو۔ میں ایسی ہزاروں دوشیزاؤں کو تم پر قربان کر سکتا ہوں۔"

"پھر اسے کیوں دیکھ رہے ہو؟"

"اُسے نہیں، اُس کی آنکھوں میں بوڑھے کو دیکھ رہا ہوں۔ ذرا تم بھی دیکھو لڑکی پریشان ہے جیسے بوڑھا زبردستی اُسے اُٹھا لایا ہو۔"

نادرہ خوش ہو کر بولی۔ "تم بالکل درست سمجھ رہے ہو۔ یہ پہلوان ہے۔ بڑے داؤ استعمال کرتا ہے اور حریف کو چت کر دیتا ہے۔"

"کیا تم اسے جانتی ہو؟"

"ہاں، یہ مجھے شکست دینا چاہتا ہے لیکن اس سے پہلے میں اسے مُنہ توڑ جواب دینا چاہتی ہوں۔ میں جیسا کہوں ویسا کرو گے؟"

"جان دے کر بھی کروں گا۔"

"اس لڑکی کو بوڑھے کی طرف سے پھیر دو۔"

"کیسے پھیر دوں؟"

"کچھ بھی کرو۔ اسے محبت کے جال میں پھانس لو۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟ میں اس سے محبت کروں؟"

"میں اجازت دے رہی ہوں۔ تم اسے جتنی جلدی بوڑھے سے دُور کرو گے، میں اتنا ہی زیادہ تمھیں انعام دُوں گی۔ تم ابھی اسے بڈھے سے توڑ دو گے تو سنو، میں تم سے شادی کر لوں گی۔"

وہ بڑے جوش میں بول گئی۔ پھر اس نے چونک کر برکت کو دیکھا۔ وہ نیلما سے مسکرا کر باتیں کر رہا تھا۔ شہزاد نے پوچھا۔ "تم... تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

"آں، نہیں، میں کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ م... میں کہنا چاہتی تھی، اس لڑکی سے تمھاری شادی کرا دوں گی۔ تمھیں بہت بڑے کاروبار کے لیے بہت بڑی رقم دُوں گی۔ مگر کوئی کمال دکھاؤ۔ فوراً دکھاؤ۔"

"تم بہت بڑی آفر دے رہی ہو مگر کوئی تدبیر سوچنے کی مہلت دو۔"

"تدبیر ضرور سوچو۔ مگر اسے نظر بھر کر دیکھنا شروع کر دو۔ وہ دیکھے تو مسکراؤ۔ یہ لڑکی پھانسنے کا طریقہ میں تمھیں بتاؤں۔ تمھارے پاس عقل نہیں ہے؟"

وہ دانت نکال کر مسکرانے لگا۔ یوں کہ اسی وقت نیلما نے اُسے دیکھا تھا۔ اُس کے مسکرانے کے انداز پر وہ بے اختیار ہنسنے لگی۔ شہزاد نے آہستگی سے کہا۔ "تعجب ہے، یہ تو پہلی نظر میں پھنس گئی۔ اب کیا کروں؟"

ایک سیاح ایک گائیڈ کے ساتھ چڑیا گھر کی سیر کر رہا تھا کہ وہ ایک ایسے پنجرے کے پاس پہنچا جس میں شیر اور بکری اکٹھے بندھے ہوئے تھے۔

سیاح حیرت کے ساتھ بولا: "واہ واہ! پُرامن بھائی چارے کی ایک شاندار مثال، لیکن آخر یہ کس طرح ممکن ہے؟"

"اس طرح جناب" گائیڈ بولا۔ "کہ ہم ہر روز اس پنجرے میں ایک نئی بکری ڈال دیتے ہیں۔"

نادرہ چائے کا آرڈر کرنے لگی۔ اُدھر برکت نے نیلما سے پوچھا۔ "کس بات پر ہنس رہی ہو؟"

وہ بولی "وہ جو نوجوان ہے احمقوں کی طرح دانت نکال کر مسکرا رہا تھا کچھ زیادہ ہی رنگ رہا ہے۔"

"اسے اُلّو بناؤ۔ ذرا تماشا رہے گا۔"

"کچھ اچھا نہیں لگتا۔ میرے اسکول کی ایک لڑکی اکثر ایک جوان کو احمق سمجھ کر اور احمق بنایا کرتی تھی۔ ایک روز پھنس گئی۔ وہ احمق اسے گن پوائنٹ پر کہیں لے گیا تھا۔"

"میں تمہاری حفاظت کے لیے موجود ہوں اور تم میری شہ زوری دیکھ چکی ہو۔ پلیز اُسے اپنے پاس آنے پر مجبور کر دو۔"

"پھر کیا ہوگا؟"

"اس کے ساتھ باہر چلی جانا۔ میں تمہارے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوں گا۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

وہ ذرا سوچ کر بولی "جیسا کہہ رہے ہیں ویسا ہی کروں گی۔ لیکن آپ بھی میری بات مانیں گے۔ اندھیرا ہونے کے بعد سمندر کے کنارے چلیں گے۔"

"میری بھی کوئی شرط ہے۔ میں چلوں گا۔"

نیلما نے شہزاد کو دیکھا۔ اس سے نظر ملتے ہی مسکرائی۔ اس نے خوش ہو کر نیلما سے اشارے میں پوچھا "میں تمہارے پاس آؤں؟"

وہ شرمانے لگی۔ شہزاد کامیابی کا یقین کرتے ہی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ یہی موقع تھا "وہ حسینہ کو بوڑھے سے توڑ سکتا تھا۔ نادرہ نے دھیمی آواز میں کہا "دیر نہ کرو، جاؤ۔"

وہ آگے بڑھا۔ برکت کی میز پر آیا پھر اسے نظر انداز کرتے ہوئے بولا "مجھے شہزاد کہتے ہیں اور تمہیں؟"

"میں نیلما ہوں۔ فرمائیے؟"

"تمہارے حسن کی جادوگری کھینچ لائی ہے۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"میں سن رہی ہوں۔"

"یہاں نہیں، کہیں دوسری جگہ چلو۔"

برکت نے پوچھا "اے مسٹر! بات کیا ہے؟"

شہزاد نے کہا "یو شٹ اپ! یہ تمہاری کوئی نہیں لگتی ہے۔ تم اسے کہیں سے لائے ہو۔ میں بھی کہیں لے جا سکتا ہوں۔ یہ خیرات کی شیرینی ہے کسی کے ہاتھ میں بھی آ سکتی ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا "چلو میرے ساتھ۔"

وہ ایک جھٹکے سے اُٹھتے ہوئے بولی "تم نے میرا ہاتھ پکڑنے کی جرأت کیوں کی؟"

اس نے ایک زوردار طمانچہ رسید کر دیا۔ تڑاخ کی آواز پورے کافی ہاؤس میں گونج گئی۔ تمام لوگ اُدھر دیکھنے لگے۔ کچھ اپنی جگہ سے اُٹھ کر شہزاد کی طرف آنے لگے۔ کافی ہاؤس کا مالک دوڑتے ہوئے نادرہ بیگم کے پاس آیا پھر بولا "بیگم صاحبہ! یہ آپ کے ساتھی نے کیا کیا ہے؟ پلیز اسے اپنے پاس بلائیں۔"

نادرہ گم صُم بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جسے بوائے فرینڈ بنا کر لائی ہے وہ برکت کی گرل فرینڈ سے طمانچہ کھا جائے گا۔ اتنے لوگوں کے سامنے خصوصاً برکت کی طنزیہ نظروں کے سامنے وہ اپنی بے عزتی محسوس کر کے شرم سے گڑی جا رہی تھی۔

کافی ہاؤس کا مالک بیگم کو سکتے کی حالت میں دیکھ کر نیلما اور شہزاد کے درمیان آیا پھر برکت کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولا "پلیز اور بات نہ بڑھنے دیں۔"

برکت نے کہا "ایک طمانچہ ہی کافی ہے۔ بات نہیں بڑھے گی۔ دراصل اس جوان کا بھی قصور نہیں ہے۔ اس بیچارے کو بڑھاپے کے سحر میں رکھا گیا تھا۔ میرے ساتھ جوانی کی نئی بہار دیکھتے ہی کھنچا چلا آیا۔ اس سے جو گستاخی ہوئی اس کی سزا مل گئی۔ مگر سزا وہ ناقابلِ برداشت ہوتی ہے جب جوان ساتھی ایک نئی چیز کے لیے پرانی چیز کو ٹھکرا دیتا ہے۔"

نادرہ میں اور کچھ سننے کی تاب نہیں تھی۔ وہ جلدی سے اُٹھ کر تیزی سے چلتی ہوئی باہر آ گئی۔ شہزاد اس کے پیچھے دوڑتا ہوا آیا۔ وہ اپنی کار کے پاس رُک کر بولی "کتے! کمینے! اُلّو نے میری عزت، میرا غرور خاک میں ملا دیا۔ بھاگ جا یہاں سے۔ میں تیری صورت نہیں دیکھنا چاہتی۔"

"میں تو تمہارے مشورے پر عمل کر رہا تھا۔"

"کیا میں نے تھپڑ کھانے کا مشورہ دیا تھا؟"

"میں تو ہم میں سے کسی نے نہیں سوچا تھا کہ وہ ہاتھ اُٹھا دے گی۔ وہ مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے اور اشارے کا جواب اشارے سے دے رہی تھی۔ اس کی طرف سے حوصلہ پا کر ہی میں نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔"

وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کرنے لگی۔ شہزاد نے کہا "میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں تم نے اس سے محبت کرنے پر مجبور کیا۔ مجھے ایک موقع اور دو۔ مجھ سے ناراض ہو کر نہ جاؤ۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"اونہہ!" وہ حقارت سے بولی "آج سے تین برس پہلے میں اُسے فٹ پاتھ سے اُٹھا کر اپنی زندگی میں لائی تھی۔ اس کا نتیجہ بھگت رہی ہوں۔ تم سب مٹی کے کیڑے ہو، تم لوگوں کو مٹی ہی میں رہنا چاہیے۔ گیٹ لاسٹ۔"

اس نے ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھائی۔ پھر تیزی سے دور ہوتی چلی گئی۔ شام کی تاریکی چھا رہی تھی۔ برکت نیلما کے ساتھ کافی

باڈسی سے باہر آیا۔ نیلما کے لیے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے حقارت سے شہزاد کو دیکھا۔ نیلما اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ کار کے دوسری طرف سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آیا پھر اُسے اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اس پر ہاتھ اٹھا دو گی۔"

وہ بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ "یہ ہاتھ صرف میرا چاہنے والا پکڑ سکتا ہے۔ کوئی اور اسے چھونا بھی چاہے تو مجھے آگ لگ جاتی ہے۔"

"تم روانی میں میرے سودے کے خلاف کچھ بول گئی ہو۔"

"میں نے ہوش و حواس میں کہا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ پہلی بار اُس نے میرے اس ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا تو میں نے قسم کھائی تھی۔ اب یہ ہاتھ کسی کے ہاتھ میں نہیں جائے گا۔"

"جتنی جلدی ہو سکے قسم توڑ دو۔"

"جان چھوڑ سکتی ہوں قسم نہیں توڑ سکتی۔"

"نادان بچی ہو۔"

"ایسی بھی نادان نہیں ہوں۔ یہ سمجھتی ہوں کہ آپ ہماری اوقات سے بہت زیادہ رقم لگا چکے ہیں۔ ہم بہنیں تمام عمر یہ رقم ادا نہیں کر سکیں گی۔"

"جس کے لیے قسم کھائی ہے شاید وہ بھی ادا نہ کر سکے۔"

"وہ اتنی رقم نہیں دے سکے گا لیکن کسی دوسری صورت سے تمام قرض ادا کر سکتا ہے۔"

وہ حقارت سے بولا۔ "چھوٹے لوگ قسطوں پر ادائیگی کی بات کرتے ہیں۔"

"وہ چھوٹا نہیں ہے۔"

"کتنا بڑا ہے؟"

"اتنا کہ میرے وجود کی کل کائنات پر چھایا رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے بے شک آدمی آدمی کو کسی نہ کسی پہلو سے خریدتا رہتا ہے۔ کبھی دولت سے کبھی احسان سے۔ مگر افسوس محبت سے نہیں خریدتا۔"

"میں دولت کا حساب نہیں کروں گا۔ محبت سے تمہیں خریدنے کی کوشش کروں گا۔"

"آپ کی عمر میں لوگ بچوں سے محبت کرتے ہیں اور جوانوں کو بھی اپنی اولاد سمجھتے ہیں۔"

وہ بھڑک کر بولا۔ "تم مجھے بوڑھا کہہ رہی ہو۔ کیا میری شہ زوری کو بھول چکی ہو؟"

"آپ راستہ بھول رہے ہیں۔ میں نے سمندر کے کنارے چلنے کو کہا تھا۔"

وہ راستہ بدلتے ہوئے بولا۔ "ہم سمندر کی طرف جا رہے ہیں مگر آج چاندنی رات نہیں ہے۔ اندھیرے میں سمندر کا حسن مٹ جاتا ہے۔"

"ایسا بھی اندھیرا نہیں ہوتا۔ یہ اور بات ہے کہ نیم تاریکی بوڑھوں کو مکمل تاریکی لگتی ہے۔"

"تم مجھے چیلنج کر رہی ہو۔ اگر میں ثابت کر دوں کہ نیم تاریکی میں مجھے نظر آتا ہے۔ میں عینک کا محتاج نہیں ہوں اور تمہارے عاشق سے زیادہ جوان ہوں تو اپنی قسم توڑ دو گی؟"

"کیا آپ اس سے پنجہ لڑا سکیں گے؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "میں پنجہ ملاتے ہی اُس کی اُنگلیاں توڑ ڈالوں گا۔"

وہ بولی۔ "میں نے اُسے سمجھایا تھا آپ پہلوان ہیں دونوں ہاتھوں سے وزنی موٹر سائیکل اُٹھا لیتے ہیں مگر وہ سمجھنا نہیں چاہتا۔ کہتا ہے وہ جوان ہے آپ بوڑھے ہیں۔ فری اسٹائل کشتی میں آپ کی گردن توڑ دے گا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "اُسے میرے پاس لے آؤ۔ میں اس کی گردن توڑ دوں گا تو تمہاری قسم آپ ہی آپ ٹوٹ جائے گی۔"

وہ سمندر کی ساحلی سڑک پر آ گئے۔ برکت اُسے باتوں میں لگا کر ویران ساحل کی سمت جا رہا تھا۔ کچھ دُور جا کر اُس نے گاڑی روک دی پھر کہا۔ "آؤ ہم ٹھنڈی ریت پر چلیں۔"

نیلما نے ونڈ اسکرین کے پار دُور تک دیکھا پھر کہا۔ "ذرا آگے چلیں پھر کار سے اُتریں گے۔"

وہ خوش ہو گیا۔ تنہائی اور ویرانے میں کچھ رومانس کا موقع مل سکتا تھا۔ نیلما کی طرف سے اعتراض کی توقع تھی مگر وہ توقع کے خلاف کچھ اور ویرانے میں چلنے کو کہہ رہی تھی۔ اس نے کار آگے بڑھا دی۔ ہیڈ لائٹس کو بجھا دیا۔ نیلما نے پوچھا۔ "لائٹس کیوں بجھا دیں؟"

"میں دکھانا چاہتا ہوں کہ چاند نہ نکلا ہو، رات اندھیری ہو تو میں ستاروں کی روشنی میں ڈرائیو کر سکتا ہوں۔"

اُس نے بجھانے کو تو ہیڈ لائٹس بجھا دی تھیں۔ لیکن یہ بھول گیا تھا کہ اچانک روشنی چلی جائے تو تاریکی سے زیادہ تاریکی چھا جاتی ہے۔ اس کے سامنے ونڈ اسکرین کے پار اُلٹے توے کی سیاہی چھائی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود وہ اپنی کمزوری کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سنبھل سنبھل کر گاڑی چلا رہا تھا۔ ساحلی سڑک کی چوڑائی کا اندازہ تھا۔ اسی اندازے نے اس کا بھرم رکھ لیا تھا۔

نیلما نے کہا۔ "ہم بہت دُور آ گئے ہیں۔"

اس نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے فوراً گاڑی روک دی۔ وہ دُور تک دیکھنے کے لیے ہیڈ لائٹس آن کرنا چاہتا تھا اسی وقت نیلما نے کہا۔ "ستاروں کی روشنی میں سمندر کتنا پُر اسرار لگ رہا ہے۔"

وہ کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔ "واقعی۔" حالانکہ کچھ

...

نظر نہیں آرہا تھا صرف لہروں کا شور سُنائی دے رہا تھا۔ وہ دونوں ہٹ سے باہر نکلے۔ آسمان پر دُور تک ستارے دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی روشنی میں قریب کا راستہ کسی حد تک دکھائی دینے لگا۔ نیلما سمندر کی طرف بڑھتی جا رہی تھی ایک پرچھائیں کی طرح نظر آرہی تھی۔ وہ اس کے پیچھے چل پڑا۔

ساحلی ریت ٹھنڈی تھی۔ پاؤں دھنس رہے تھے۔ وہ تیزی سے آگے جا رہی تھی۔ برکت نے اُسے روکنے کے لیے پوچھا "اس ویرانے میں ڈر نہیں لگ رہا ہے؟"

وہ دوڑتی ہوئی اور آگے چلی گئی۔ ستاروں کی روشنی کے باوجود نگاہوں سے مٹ رہی تھی۔ پھر مٹنے سے پہلے ہی اس کے قریب دوسرا سایہ نظر آیا۔ وہ بولی "آباد کرنے والا موجود ہو تو ویرانہ ویرانہ نہیں رہتا۔"

برکت نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گرجتے ہوئے پوچھا "کون ہے؟"

نیلما کی آواز آئی "آپ پوچھتے کیوں ہیں۔ میرا ہاتھ دیکھ لیں۔ یہ ہاتھ ان ہاتھوں میں ہے جن کے لیے میں جان چھوڑ سکتی ہوں قسم نہیں توڑ سکتی۔"

اُسے دو مٹے مٹے سے سائے نظر آرہے تھے۔ دوسرے کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا لیکن وہ سمجھ گیا۔ سر ہلا کر بولا "اچھا تو تم اس کے لیے یہاں آنا چاہتی تھیں۔ میں حیران تھا کہ ویرانے میں بے خوف و خطر کیسے آگئی ہو؟ کیا یہ مجھ سے لڑائے گا؟"

جوان مرد کی آواز آئی "لڑاؤں گا۔"

"بچو! اگر نکتا پڑھتا ہے تو چند منٹ کے بعد انگلیوں سے قلم نہیں پکڑ سکے گا۔ میں نے آج تک کشتی نہیں ہاری۔ کسی میدان میں شکست نہیں کھائی۔ میری ہر فتح میری طول پکڑتی ہوئی جوانی کا ثبوت ہے۔"

"میں صرف پنجہ نہیں لڑاؤں گا۔ تجھے فری اسٹائل میں پچھاڑ کر اپاہج بنا دوں گا۔"

برکت اس بات پر ہنسنا چاہتا تھا۔ پھر سوچ میں پڑ گیا۔ کہنے لگا "جوان! تیری آواز کچھ جانی پہچانی سی ہے۔"

"کیا مقابلے کے خوف سے جان پہچان پیدا کرنا چاہتا ہے؟"

"بکواس مت کر تو بڑی سے بڑی سفارش لے کر آئے گا تب بھی تجھے پچھاڑ کر اس لڑکی کو اپنی جوانی کا زور دکھاؤں گا۔"

"مجھے تو ایک بوڑھے پہلوان سے لڑتے ہوئے ندامت سی ہو رہی ہے۔ ذرا سوچ کر بتا تُو نے بھری جوانی میں کسی بوڑھے پہلوان سے مقابلہ کیا ہے؟"

"اس سوال کا مقصد کیا ہے؟"

"یہی کہ مقابلہ کیا ہے تو اس بوڑھے پہلوان کی شکست کو یاد کرکے نیلما کے حصول سے باز آجا اور واپس چلا جا۔"

برکت باتوں کے دوران قریب آکر پینترا بدلنے لگا۔ وہ جوان قریب سے مکمل سائے کی طرح دکھائی دے رہا تھا اُس پر آسانی سے حملہ کیا جا سکتا تھا۔ نیلما دُور ہو گئی تھی۔ برکت نے حملہ کیا۔ وہ بچ گیا۔ دوسرے حملے میں جوان نے اچانک ہی پلٹا کھایا۔ پھر دھوبی پاٹ کا داؤ استعمال کرتے ہوئے اسے دُور پھینک دیا۔ ریت پر گرتے ہی برکت کے حلق سے کراہ نکلی۔ وہ ایسے وقت فوراً ہی اُچھل کر کھڑا ہو جاتا تھا لیکن اس وقت اُٹھ نہ سکا۔ ریڑھ کی ہڈی دُکھنے لگی تھی۔

جوان نے کہا "دادا جانی! میں تیرا پوتا ناصر پہلوان ہوں۔ آج سے کوئی چالیس برس پہلے تُو نے اسی جگہ میرے ایک بزرگ کو پچھاڑا تھا۔ میں نے اس کا انتقام نہیں لیا ہے۔ تجھے پہلے ہی سمجھایا تھا کہ کسی بوڑھے پہلوان کی شکست کو یاد کرے۔ مگر تُو گزری ہوئی جوانی کی لاش اٹھائے گھومتا ہے۔ اپنی بزرگی پر فخر نہیں کرنا چاہتا۔"

بابو برکت علی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ وہ برسوں بعد اپنے پوتے کی آواز سُن رہا تھا۔ یہاں روشنی ہوتی تو شاید ناصر کو صحیح طور پر پہچان نہ پاتا۔ کیوں کہ دوسری شادی کے بعد وہ برس دو برس میں پہلی بیوی، بیٹوں اور بہوؤں سے سرسری ملاقات کے لیے جاتا تھا اور انھیں جائداد خریدنے اور کاروبار کرنے کے لیے لاکھوں روپے دے کر چلا آتا تھا۔ نادرہ کو طلاق دینے کے بعد اُسے اپنے بیٹوں اور پوتوں کی اہمیت کا پتا چلا تھا۔ کیوں کہ ان سے اُس کے نام کا سلسلہ چلنے والا تھا۔ نادرہ نے کوئی اولاد پیدا نہیں کی تھی۔

ان حالات میں وہ پہلوان پوتا ناصر بہت اہم اور بہت پیارا تھا۔ کیوں کہ دادا کے نقش قدم پر پہلوانی کر رہا تھا۔ آج اُس نے دادا کو پچھاڑ کر گزری ہوئی باتیں یاد دلائی تھیں اور کہہ رہا تھا "دادا جی! گستاخی کی معافی چاہتا ہوں ویسے دنگل میں بھائی بھائی کو اور بیٹا باپ کو پچھاڑتا ہے۔ تجھے یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ پہلوان کبھی شہ زور نہیں ہوتا۔ جوانی شہ زور ہوتی ہے اور یہی جوانی پرانی ہو کر آنے والی نئی جوانی سے مات کھا جاتی ہے۔"

اُس نے نیلما کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا "میں اِسے لے جا رہا ہوں۔ یہ تیری ہونے والی بہو ہے۔ جو لوگ طاقت سے زیر نہیں ہوتے وہ رشتوں کی نزاکت سے مات کھا جاتے ہیں۔"

وہ نیلما کے ساتھ جانے لگا۔ برکت سر جھکائے ریت پر بیٹھا رہ گیا۔ اس کے سامنے سمندر کی لہریں اُچھل رہی تھیں۔ ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہی تھیں، پلٹ رہی تھیں، جوانی کی شرارتیں کر رہی تھیں۔ سمندر ہزاروں لاکھوں برس کا بوڑھا تھا۔ مگر اس کے اندر جوانی لہر لہر موجیں مار رہی تھی۔ ناصر بھی ایک جوان لہر تھا جو بوڑھے کے بطن سے نکل کر جا رہا تھا۔